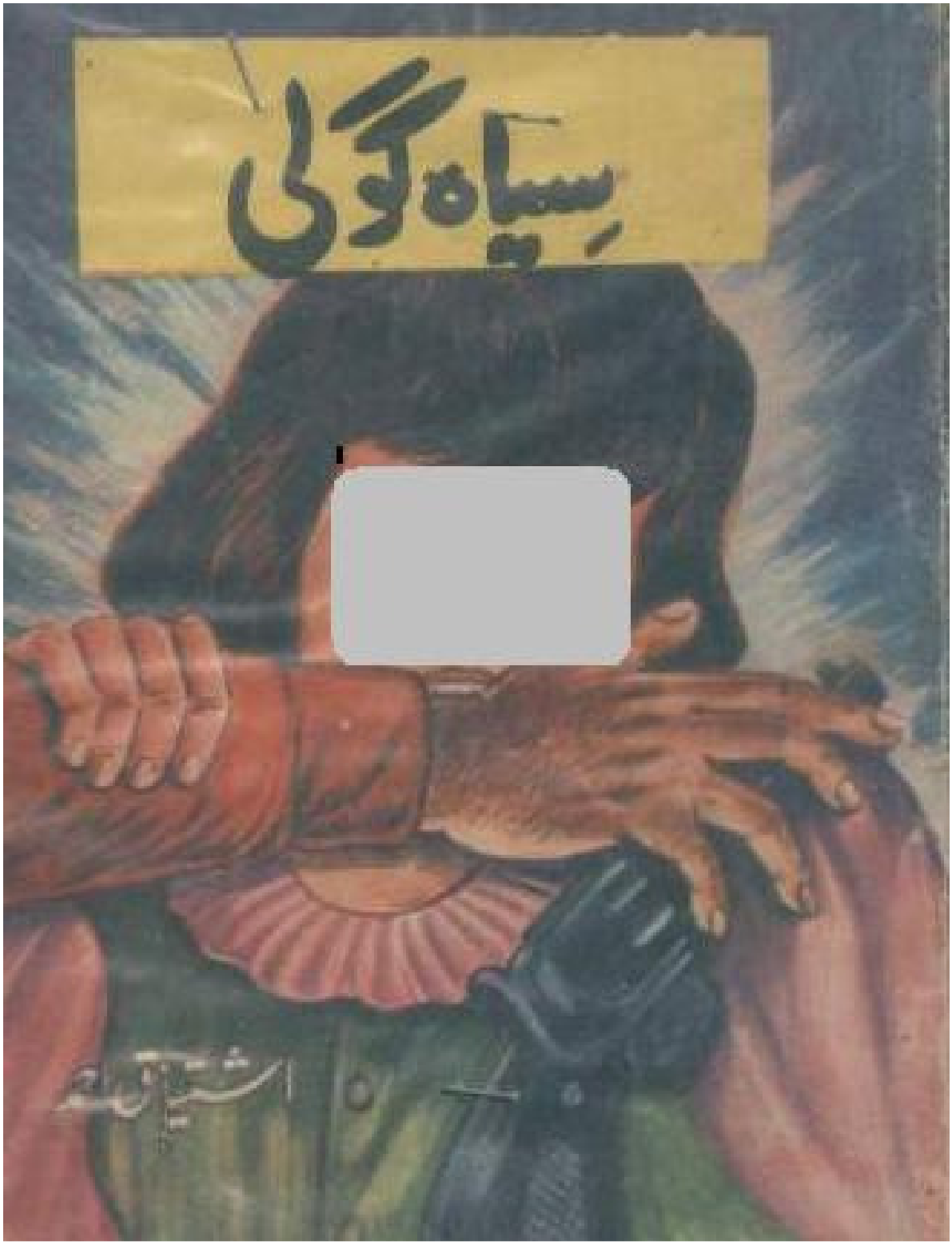
سیاہ گولی

پھول سے پیارے بچو :

"بے تاج بادشاہ" پڑھنے کے بعد آپ کو مجھ پر بے تحاشا غصہ آگیا۔ مجھے خود بھی اندازہ تھا کہ ایسا ہوگا کیونکہ کہانی اس ناول میں مکمل نہیں ہوسکی تھی ــــ کیا کرتا، کہانی لمبی ہوتی چلی گئی۔ اگر اس ناول میں ختم کرنے کی کوشش کرتا تو کہانی ٹھس ہوکر رہ جاتی اور پھر آپ منہ بنا کر کہتے ...... یہ کہانی تھی یا چوں چوں کا مربہ ــــ یہی وجہ تھی کہ اس کہانی کو نیا ناول تک لے جانے پر مجبور ہوگیا۔

ویسے آپ بے فکر ہو جائیں۔ بے تاج بادشاہ کی کہانی اس ناول کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی اور اسے پڑھنے کے بعد آپ کا سارا غصہ بھی کافور ہو جائے گا۔ میری ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ناول مکمل ہو اور ایک کہانی ایک ہی ناول میں ختم ہو جائے۔ آئندہ بھی میری یہی کوشش اور خواہش ہوگی تاکہ آپ کو مجھ پر دانت پیسنے کا کوئی اور موقع نہ ملے۔

اشتیاق احمد



# تحفہ

بے تاج بادشاہ پریشانی کے عالم میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔ اپنے تمام غنڈوں اور پولیس کے تمام جوانوں کو انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کی تلاش میں روانہ کرچکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے آدمی بہت جلد انہیں پکڑ کر لے آئیں گے۔ اس یقین کے باوجود وہ پریشان تھا کیونکہ ایک ہی دن میں دو واقعے ایسے پیش آئے تھے کہ اس کی ساری عزت خاک میں ملتی نظر آرہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر انہیں گرفتار کرنا چاہتا تھا۔

دو گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ پھر اس کے آدمی رپورٹیں لے لے کر آنے لگے۔ ہر کوئی خالی ہاتھ واپس آرہا تھا۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ابھی تک گرفتار نہیں ہوسکے تھے۔ شہید گنج کا کونا کونا چھان مارا گیا۔ شام تک اس کے تمام آدمی واپس آگئے ــــ اور اس وقت پتا چلا کہ ان میں سے چھ غائب ہیں۔

بے تاج بادشاہ نے فوراً اپنے دربار کا رخ کیا اور سب کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

"میرے چھ آدمی ابھی تک واپس نہیں آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ضرور اس گھر میں داخل ہوئے ہوں گے جس گھر میں ان لوگوں نے پناہ لی ہوگی ــــ میں چاہتا ہوں، ان چھ آدمیوں کے ساتھ ان لوگوں کو بھی فوراً گرفتار کیا جائے



اور ان کو پناہ دینے والوں کو بھی؛ ورنہ سب کو بدترین سزا دوں گا ــــ ایک بات بالکل ظاہر ہے۔ شہید گنج میں کوئی نہ کوئی گھر ایسا ضرور ہے جس میں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہیں ہمارے آدمی بھی ہوں گے۔ اس لحاظ سے ان کی گرفتاری آسان ہوگئی ہے۔ جاؤ اور جاکر انہیں ڈھونڈ نکالو۔ میں صبح تک کی مہلت دیتا ہوں۔ صبح کا سورج ان لوگوں کو ہوٹل تھری سٹار کے باہر بندھا ہوا دیکھے ــــ یہ میرا حکم ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ غصے میں پیچ و تاب کھاتا اٹھ کھڑا ہوا اور کرسی کے ساتھ بنے دروازے میں داخل ہوکر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ تمام کے تمام درباری دم بخود کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ آخر انہیں بھی ہال سے نکلنا پڑا۔ ایک بار پھر وہ شہید گنج کے ہر گھر کی تلاشی لینے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

پورے شہید گنج میں زلزلہ سا آگیا۔ ایک ہی دن میں دوسری مرتبہ تلاشی کوئی معمولی سا واقعہ نہ تھا۔ لوگ جھنجلا اٹھے۔ انہوں نے دانت پیسے، خون کے گھونٹ پیے لیکن تلاشی دینے کے سوا کچھ بھی نہ کرسکے۔ ان غریبوں کی سنتا بھی کون تھا۔ تمام محکموں کے افسران تو بے تاج بادشاہ کی مٹھی میں تھے کس کے سامنے جاکر زبان کھولتے، کس کے خلاف مقدمہ کرتے۔ خاموشی سے تلاشی دینے ہی میں بہتری سمجھی۔

تلاشی کے دوران لوگوں کے سامان الٹ پلٹ کر دیے گئے۔ گھروں کے دروازے توڑ دیے گئے۔ اکثر لوگوں کو مارا پیٹا اور دھمکایا گیا ــــ ایسے میں رحیم خان کے مکان کی باری بھی آئی۔ اس نے پہلے کی طرح انسپکٹر جمشید اور



ان کے بچوں کو روئی کے گودام میں چھپا دیا۔ اس مرتبہ انسپکٹر جمشید اپنا بہروپ اتنا مناسب نہیں سمجھے تھے۔ تلاشی لینے والے سارے گھر میں گھومتے پھرے۔ آخر میں گودام کی باری بھی آئی۔ اس مرتبہ تلاشی لینے والے دس آدمی تھے۔ انہوں نے رحیم خان سے گودام کا تالا کھولنے کے لیے کہا۔ تالا کھول دیا گیا۔ دس کے دس آدمی اندر گھس گئے۔ بوروں کو ادھر سے ادھر کیا گیا۔ رحیم خان ڈر گیا کہ اس مرتبہ خیر نہیں ــــ وہ ضرور پکڑے جائیں گے لیکن تمام بوروں کو الٹ پلٹ کرنے کے بعد بھی انسپکٹر جمشید اور بچے کہیں نظر نہ آئے تو وہ خود بھی حیران رہ گیا۔

"آؤ چلیں، وہ لوگ اس مکان میں نہیں ہیں۔" تلاشی لینے والوں کے سردار نے کہا۔

وہ باہر نکل گئے۔ رحیم خان اور اس کا بیٹا بہت دیر تک دروازے میں کھڑے انہیں جاتے دیکھتے رہے۔ پھر دروازہ بند کرکے پلٹے اور بے تحاشا دوڑتے ہوئے گودام میں پہنچے۔

"آپ لوگ کہاں ہیں؟" رحیم خان نے بے چین ہوکر کہا۔

انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ دونوں حیران رہ گئے۔ کریم خان نے کہا:

"ابا جان، یہ لوگ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس مرتبہ ضرور وہ کہیں اور چھپ گئے ہوں گے۔"

"لیکن میں نے انہیں گودام میں چھپنے کے لیے کہا تھا اور ان کے جانے کے بعد خود دروازے کا تالا لگایا تھا!" رحیم خان حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"لیکن آپ نے انہیں اندر جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا نا —— وہ ضرور کہیں ادھر ادھر چھپ گئے ہوں گے۔"

"تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم انہیں کہاں تلاش کریں؟"

"تلاش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب وہ خطرے کو ٹلتا دیکھیں گے، خود بخود آ جائیں گے۔"

"آخر یہ کون لوگ ہیں —— تم نے بتایا نہیں۔"

"ابا جان، یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بیوی بچے ہیں۔"

"کیا؟" رحیم خان زور سے اچھلا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"کیا وہ لوگ جا چکے ہیں؟"

انہوں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا۔ انسپکٹر جمشید انہیں اب بھی نظر نہیں آئے تھے۔ وہ بھونچکا رہ گئے۔ آخر کریم خان نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا:

"کیا آپ لوگوں نے سلیمانی ٹوپیاں اوڑھ رکھی ہیں؟"

"نہیں تو —— ہمارے پاس سلیمانی ٹوپیاں ہیں نہ الہ دین کا چراغ ——" فاروق کی شریر آواز آئی۔

"تو پھر —— گودام میں آپ کس جگہ ہیں؟"

"آپ کے سر کے اوپر۔" محمود کی آواز آئی۔

اب انہوں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ چھت کے ساتھ اس سے کچھ نیچے لکڑی کا ایک تختہ لگا ہوا تھا۔ یہ تختہ چھوٹا موٹا سامان رکھنے کے لیے لگایا



گیا تھا۔ اب جو انہوں نے اوپر دیکھا تو انسپکٹر جمشید، بیگم جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کو پیٹ کے بل اس طرح اس تختے پر لیٹے پایا کہ ان کے سر تختے سے باہر نکلے ہوئے تھے اور وہ انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر بھرپور مسکراہٹ تھی۔

"اوہ، تو آپ یہاں ہیں۔"

"ہاں ——" فرزانہ چہکی۔

"لیکن آپ اوپر چڑھے کیسے؟" رحیم خان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بوروں کے ذریعے —— جب ہم اوپر پہنچ گئے تو میں نے بوروں کی قطار کو پیر مار کر گرا دیا تھا تاکہ تلاشی لینے والوں کا خیال تختے تک نہ جائے —— خیال جاتا اس لیے بھی مشکل تھا کہ تختہ چھت سے تقریباً ملا ہوا ہے اور اس پر ہم صرف لیٹ سکتے ہیں۔ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے۔"

"بہت خوب —— تو اب آپ نیچے آ جائیں، خطرہ ٹل چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نیچے لٹکے۔ پھر انہوں نے ایک بورا گھسیٹ کر تختے کے نیچے کر دیا۔ اس طرح دوسرے بھی نیچے اتر آئے۔

"یہ کتنا حیرت انگیز اتفاق ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں میں اخبارات میں پڑھ پڑھ کر خوش ہوا کرتا تھا، آج انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کریم تو آپ لوگوں کے کارناموں کا دل سے شیدائی ہے۔ جب بھی آپ کے متعلق اخبار میں کچھ چھپتا ہے، یہ فوراً اخبار لا کر مجھے دیتا ہے اور ہر مرتبہ اخبار



پڑھ کر میں دعا مانگا کرتا تھا کہ کاش کبھی آپ لوگ شہید گنج میں بھی آ جائیں —— شاید خدا نے میری دعائیں سن لیں۔" بوڑھے رحیم خان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ کا شکریہ بابا —— لیکن حالات میری امیدوں سے زیادہ خوفناک اور بگڑے ہوئے ہیں۔ میں جب یہاں آنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ اس وقت میرا خیال صرف یہ تھا کہ بے تاج بادشاہ کوئی بہت ہی بااثر آدمی ہے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ تو سچ مچ کا بادشاہ بنا ہوا ہے اور باقاعدہ حکم جاری کرتا ہے —— پولیس کا پورا محکمہ اس کی مٹھی میں ہے۔ ایسے حالات میں کوئی کرے تو کیا کرے؟"

"تو کیا آپ ہمت ہار رہے ہیں؟"

"نہیں —— میں اس سے ٹکراؤں گا۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میرا کیا انجام ہوتا ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ شہید گنج کے غریب اور مظلوم لوگوں کو اس ظالم سے نجات مل جائے۔ ان کا اپنا کاروبار ہو، وہ باعزت اور آزاد زندگی گزاریں۔ پولیس ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمے دار ہو۔ وہ صرف ایک آدمی کے احکامات کی تعمیل نہ کرتی پھرے۔"

"اس دن کے انتظار میں تو میری آنکھیں ترس گئی ہیں —— خدا کرے، وہ دن جلد آئے۔" رحیم خان نے دعا مانگی۔

"آمین۔" کریم خان کے منہ سے نکلا۔

"دوبارہ تلاشی کا پروگرام شروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے



چھ آدمیوں کے غائب ہونے کے متعلق معلوم ہو گیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے —— لیکن فکر نہ کرو، بہت جلد انہیں چھ کے چھ آدمی مل جائیں گے اور ان کے ساتھ ہی ہمارا پیغام بھی انہیں ملے گا۔"

"ابا جان، آپ نے بے تاج بادشاہ کو کیا پیغام بھیجا ہے؟"

"پیغام۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے اور انہیں پیغام کے بارے میں بتانے لگے۔

* * *

تلاشی لینے والوں کی ایک ٹولی سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ وہ سب تھکن سے مارے چور تھے۔ تمام رات انہیں انسپکٹر جمشید وغیرہ کو تلاش کرتے گزر گئی تھی لیکن ان کا کہیں دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"اب ہمارا کیا انجام ہو گا؟" ایک نے کہا۔

"ہو گا کیا..... بے موت مارے جائیں گے۔ بے تاج بادشاہ کی بے رحمی تو مشہور ہے۔ رحم کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں۔" دوسرے نے کہا۔

"مصیبت یہ ہے کہ کسی طور کی سزا ہو تو دیکھا بھی جائے۔ بے تاج بادشاہ کی سزا کون برداشت کرے۔ اس سے تو پولیس والے بھی کانپتے ہیں۔ وہ سزا دینے پر آتا ہے تو پولیس والوں کو بھی نہیں چھوڑتا۔" تیسرا فکرمند ہو کر بولا۔

"پھر کیا کریں —— کیا فرار ہو جائیں؟" دوسرا بولا۔

"فرار ہو کر کہاں جائیں گے، وہ ہمیں ڈھونڈ نکالے گا۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ کس کس کو سزا دے گا۔ جب سب لوگ ہی ناکام

ہو جائیں گے تو وہ کیا کر سکے گا۔" چوتھے نے کہا

"بات تو یہ بھی ٹھیک ہے — تو پھر چلو — چل کر رپورٹ دیتے ہیں جو سب کے ساتھ ہوگا، وہی ہمارے ساتھ ہوگا۔"

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ٹولی انہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔"

"یہ بھی....."

الفاظ درمیان ہی میں رہ گئے۔ سڑک کے بیچوں بیچ کوئی چیز ڈھیر کی شکل میں پڑی تھی۔

"ارے یہ کیا چیز ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"خدا جانے کیا بلا ہے۔"

"آؤ دیکھیں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ڈھیر کی طرف چلے گئے۔ پھر جونہی وہ نزدیک پہنچے، ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سڑک پر چھ آدمی بے ہوش پڑے تھے۔ کچھ اور قریب پہنچ کر تو وہ اچھل ہی پڑے۔

"ارے یہ تو دارا اور اس کے پانچ ساتھی ہیں، وہی جو گم ہو گئے تھے۔"

"ہاں، وہی ہیں — یہ انہیں کیا ہوا؟"

وہ ان پر جھک گئے اور ہلا جلا کر دیکھنے لگے، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

"یہ تو بالکل بے ہوش ہیں۔ اب ہم کیا کریں؟"



"ہوٹل جا کر گاڑی لے آتے ہیں۔ انہیں اس میں سوار کر کے لے جائیں گے۔ کم از کم یہ تو پتہ چلے۔ اب یہ ہوش میں آ کر ان لوگوں کا پتہ بتا دیں گے۔ چلو مشکل حل ہوئی۔" ایک نے خوش ہو کر کہا۔

"تجویز معقول ہے — تو پھر پانچ آدمی یہاں ٹھہریں اور پانچ گاڑی لینے کے لیے جائیں۔" ان کے سردار نے کہا۔

"بہت بہتر۔"

ان میں سے پانچ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ سردار کے منہ سے نکلا:

"ہائیں، یہ دارا کے سینے پر کاغذ سا کیا لگا ہوا ہے؟"

وہ واپس پلٹ آئے۔ دارا کے سینے کے ساتھ ایک کاغذ ٹانک دیا گیا تھا۔ تاروں کی روشنی میں یہ نہ دیکھ سکے کہ اس پر کچھ لکھا ہے۔

"تم میں سے کسی کے پاس ٹارچ ہوگی؟" سردار نے پوچھا۔

"جی ہاں، میرے پاس ہے۔" ایک نے کہا اور ٹارچ نکال کر دے دی۔ اس نے ٹارچ روشن کی اور کاغذ پر لکھی تحریر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا:

"ہم شہید گنج میں ہی موجود ہیں۔ تمہارے یہ چھ آدمی اتفاق سے ہم تک پہنچ گئے تھے۔ تمہارے پاس بطور تحفہ بھیجے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ تم ان سے مل کر خوش ہو گے — ہم انشاء اللہ بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات کریں گے۔ تم مجھے سیاہ گولی کھلانا چاہتے تھے۔ میں نے تمہارے آدمیوں کو اس کے مقابلے میں سفید گولی کھلائی ہے — ہماری تلاش کا سلسلہ



بند کر کے اپنا بچاؤ کرنے کی فکر کرو۔ عنقریب تم اور تمہارے ساتھی ہماری زد میں ہوں گے اور اس روز تمہاری بادشاہت کا سورج غروب ہو جائے گا، انشاء اللہ۔

ایک پردیسی"



# سُرخ نشان

رقعہ پڑھ کر وہ دنگ رہ گئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کریں۔ بے تاج بادشاہ ان بے ہوش آدمیوں اور رقعے کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتا اور پھر جو بھی اس کے غصے کی زد میں آ جاتا، اس کی شامت آ جاتی لیکن رقعہ اور اپنے ساتھی اس کے سامنے پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

آخر انہوں نے ایک جیپ کا بندوبست کیا۔ بے ہوش ساتھیوں کو اس میں سوار کیا اور ہوٹل تھری سٹار کی طرف چل پڑے۔ رات کا آخری حصہ گزر چکا تھا اور دن کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ بے تاج بادشاہ نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سویا تھا۔ اُسے صبح کا انتظار تھا کیونکہ اس نے اپنے آدمیوں کو صبح تک کا وقت دیا تھا۔ آخر اس کا انتظار ختم ہوا اور پولیس کی ایک جیپ ہوٹل تھری سٹار کے سامنے رُکی۔ وہ دوڑتا ہوا دروازے سے باہر نکلا — اسے یقین تھا اس جیپ پر اس کا دشمن اور دشمن کے ساتھی لائے گئے ہوں گے۔

ادھر وہ جیپ کے قریب پہنچا، ادھر جیپ کا دروازہ کھلا۔ اس کے آدمیوں نے اسے جھک کر سلام کیا اور خاموشی سے اپنے بے ہوش ساتھیوں کو نکال نکال کر زمین پر ٹکانے لگے۔

"یہ سب کیا ہے؟" بے تاج بادشاہ پوری قوت سے چلایا۔
"ہمارے وہ چھ ساتھی ----- جو غائب ہو گئے تھے ..... یہ ایک ٹرک پر بے ہوش سے ہیں۔"
"اوہ ---" وہ حیرت زدہ رہ گیا۔
"اور یہ رقعہ بھی ساتھ ملا ہے۔" ان میں سے ایک نے رقعہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
بے تاج بادشاہ نے رقعہ لیا اور پڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ سُرخ ہوتا چلا گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ ہوٹل کے ملازمین جو اس سے تھوڑے فاصلے پر باادب کھڑے تھے، تھر تھر کانپنے لگے۔ آخر وہ رقعہ ختم کرنے کے بعد بولا:
"میں دنیا سے اس شخص کا نام و نشان تک مٹا دوں گا۔ ان لوگوں کو جلد از جلد ہوش میں لاؤ تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔"
یہ کہتے ہی وہ مڑا اور اندر چلا گیا۔ بے ہوش آدمیوں کو ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ہوٹل کے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے ان کا معائنہ کیا اور پھر ہر ایک کو ایک ایک انجکشن دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ بے تاج بادشاہ کو خبر کی گئی کہ وہ لوگ ہوش میں آ گئے ہیں۔ اس نے انہیں اندر بلوا بھیجا۔
"تمہارے ساتھ کیا بیتی، تفصیل سے بیان کرو۔" بے تاج بادشاہ نے



انہیں گھورتے ہوئے کہا۔
جواب میں وہ خاموش رہے اور کمرے کی دیواروں اور چھت کو گھورتے رہے۔
"میں تم سے پوچھ رہا ہوں ---- کیا تم ہوش میں نہیں ہو؟" اس نے گرج کر کہا۔ اس مرتبہ وہ چونک اُٹھے اور ان میں سے ایک نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"ہم ... ہم ... کون ہیں؟"
"کیا مطلب؟" بے تاج بادشاہ حیران رہ گیا۔
"ہم نہیں جانتے، ہم کون ہیں اور تم کون ہو؟"
"یہ کیا بک رہے ہو، میں تمہاری چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"
"تم کون ہوتے ہو، ہماری چمڑی ادھیڑنے والے۔ ہم تمہاری بوٹیاں نوچ لیں گے۔"
بے تاج بادشاہ کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ اس نے جیب سے پستول نکال لیا اور ان کا نشانہ لے کر فائرنگ کرنا ہی چاہتا تھا کہ ایک دم اسے رقعے کے الفاظ یاد آ گئے۔ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے جھک گیا۔
"ڈاکٹر کو بلاؤ۔" اس نے حکم دیا۔
ڈاکٹر کو جو ان لوگوں کے ہوش میں آنے کے بعد چلا گیا تھا، دوبارہ بلایا گیا۔ اس نے ان چھ آدمیوں کا معائنہ کیا اور سیدھا ہوتے ہوئے بولا:
"انہیں کوئی دوائی استعمال کرائی گئی ہے۔ اس دوائی نے ان کی



یادداشت بالکل ختم کر دی ہے اور اب یہ اپنے بارے میں بھی نہیں بتا سکتے کہ یہ کون ہیں اور ان کے نام کیا ہیں۔"
"اوہ ---" بے تاج بادشاہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

* * *

ایک بوڑھا آدمی جس کی کمر جھکی ہوئی تھی، آنکھوں پر چشمہ تھا اور ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھا۔ ہوٹل تھری سٹار میں داخل ہوا۔ اگر اس کے جسم پر امیرانہ لباس نہ ہوتا اور انگلیوں میں ہیروں کی انگوٹھیاں نہ ہوتیں تو شاید ہوٹل تھری سٹار کے بیرے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے لیکن اس کا ٹھاٹھ باٹھ بیروں کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے کافی تھا۔
"کیا یہاں کوئی کمرہ خالی مل سکتا ہے؟"
"جی ہاں، ابھی ایک دو دن پہلے ہی ایک کمرہ خالی ہوا ہے --- وہ آپ کو مل سکتا ہے۔ آپ کاؤنٹر پر تشریف لے چلیے۔" ایک بیرے نے جھک کر کہا۔
"شکریہ بھائی --- میرا سامان اس کمرے تک پہنچا دو --- میں کاغذی کارروائی مکمل کر لیتا ہوں۔"
بوڑھے نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ فارم پُر کرنے کے بعد بوڑھے کاؤنٹر والے نے کہا:
"آپ کا کمرہ نمبر ایک سو بارہ ہے۔ بیرا آپ کو چھوڑ آتا ہے۔"



"شکریہ جناب۔"
کمرے میں آ کر بوڑھے نے چاروں طرف دیکھا اور پھر اپنا سامان مناسب جگہوں پر رکھنے لگا۔ رات ہونے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے۔ وہ کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بستر پر لیٹ گیا۔ جلد ہی وہ خراٹے لے رہا تھا۔ ابھی اسے خراٹے لیتے آدھ گھنٹہ ہی گزرا ہوگا کہ غسل خانے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی نے سر اندر کر کے کمرے میں جھانکا۔ خراٹوں کی آواز سن کر وہ مسکرایا۔ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا اور بوڑھے کے سامان کی تلاشی لینے لگا۔ ہر چیز کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اس نے تمام چیزیں اپنی جگہوں پر رکھیں اور غسل خانے کے راستے واپس چلا گیا۔
چند لمحے گزرنے پر بوڑھے نے آنکھیں کھول دیں۔ بستر سے اٹھ کر چند لمحے تک غسل خانے کے دروازے کو گھورتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ وہ اندر سے بالکل خالی تھا۔ غسل خانے میں ایک اور دروازہ بھی تھا جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا لیکن اس وقت اس دروازے کی چٹخنی اندر سے چڑھی ہوئی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کوئی بھی غسل خانے سے کمرے میں داخل ہوا تھا، وہ اس دروازے کے راستے نہیں آیا تھا اور نہ اس دروازے سے گیا تھا تو پھر ..... وہ کس راستے سے آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ غسل خانے میں کوئی خفیہ راستہ بھی موجود تھا جس کا بوڑھے کو علم نہیں تھا۔ اس نے چند لمحے تک ادھر ادھر دیکھا اور پھر خاموشی سے باہر آ گیا۔ اس نے اپنا اٹیچی کیس کھولا۔ اس میں سے بٹن کی شکل کا

ایک آلہ نکالا۔ اس میں بجلی کے تار بھی لگے ہوئے تھے۔ پلگ لگا کر وہ آلہ ہاتھ میں لیے دوبارہ غسل خانے میں آیا اور آلے کو مختلف سمتوں میں دیوار سے لگا لگا کر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر تک وہ اس کام میں محو رہا۔ پھر اس کے چہرے پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اپنا کام بند کرکے واپس مُڑنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس کی نظر فرش پر بنے ایک سرخ نشان پر پڑ گئی۔ یہ جگہ ابھری ہوئی نہیں تھی لیکن پورے فرش پر کوئی اور سرخ نشان نہیں تھا۔ اس نے جھک کر اسے غور سے دیکھا۔ ظاہر میں اگرچہ یہ فرش کا ہی حصہ دکھائی دیتا تھا، لیکن غور سے دیکھنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا، یہ سرخ نشان فرش کا حصہ نہیں ہے۔ اس پر جوش کی حالت طاری ہو گئی۔ آلہ فوراً اس نشان پر رکھ دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھا۔ آلے کے اندر پیلے رنگ کا ایک ننھا سا بلب جلنے اور بجھنے لگا تھا۔ اس نے آلہ سرخ نشان پر سے ہٹا لیا اور غسل خانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے کمرے میں آگیا۔

عین اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔ وہ چونک اٹھا۔



# موت کا کھیل

محمود، فاروق اور فرزانہ شہید گنج کی سڑکوں پر چکر لگا رہے تھے۔ لیکن بے تاج بادشاہ اور اس کے آدمی انہیں غور سے دیکھنے کے بعد بھی نہیں پہچان سکتے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے تینوں کے چہروں میں زبردست تبدیلیاں کر دی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بے کھٹکے سڑکوں پر پھر رہے تھے۔

"ابا جان تھری اسٹار ہوٹل پہنچ چکے ہوں گے۔" محمود کہہ رہا تھا۔

"ہاں، لیکن کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

"ہم خود بھی تو ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتے۔ اب تم اپنے آپ ہی کو لے لو۔ میں نے تمہارے جیسی شکل و صورت کی لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔ میں حیران ہوں کہ تم کون ہو؟" فاروق نے مسکرا کر فرزانہ سے کہا۔

"ٹر ٹر نہ کرو۔ تم بھی مجھے فاروق کی بجائے خاروق لگ رہے ہو۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"خاروق کیا ہوتا ہے۔ کسی لڑکے کا یہ نام کبھی سننے میں نہیں آیا۔" فاروق بولا۔

"فضول باتیں بگھارنے کی بجائے کام کی بات کیوں نہ کی جائے۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔



"باتیں نہ ہوئیں، دال ہو گئی۔" فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان کا حکم یہ ہے کہ رات ہونے پر ہم پچھلی طرف سے تھری اسٹار ہوٹل میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے۔ اس میں فکر کرنے کی کونسی بات ہے۔ داخل ہو جائیں گے ہوٹل میں۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، پچھلی طرف سے ہوٹل میں داخل ہونا آسان بات نہیں ہوگا۔" محمود نے فکرمند ہو کر کہا۔

"آسان ثابت ہو یا مشکل، یہ کام تو کرنا ہی ہے۔"

"آخر ہم اندر جا کر کریں گے کیا؟"

"ہوٹل میں گھومیں گے اور کیا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ابا جان نے یہ نہیں بتایا کہ اندر جا کر کرنا کیا ہے۔" فاروق نے معقول بات کی۔

"لیکن اگر ہم گھومتے پھرتے ہوئے پکڑے گئے؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"تو بھی کوئی بات نہیں۔ ابا جان خود ہی سمجھ لیں گے۔" محمود نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، انہیں سمجھنے میں دیر ہو جائے اور اتنی دیر میں ہمارا کباڑہ ہو جائے۔" فاروق مسکرایا۔

"اگر تم ڈرتے ہو تو واپس چلے جاؤ اور امی جان کے پاس رہو۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"تم ہر وقت جلتی بھنتی کیوں رہتی ہو؟" فاروق نے پوچھا۔

"اور تم ہر وقت ادھر اُدھر کی کیوں مارتے رہتے ہو؟" فرزانہ نے ترکی بہ ترکی



جواب دیا۔

"آخر ہم رات تک کا وقت کیسے گزاریں؟" محمود نے ان کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"ہاں، اس طرح گھومتے پھرتے تو ہم تھک جائیں گے۔"

"تو چلو کسی ہوٹل میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"یہاں تھری اسٹار ہوٹل کے علاوہ کوئی ہوٹل کام کا ہے ہی نہیں۔" فاروق بولا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ہم وہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔ جب وقت ہو جائے گا تو اٹھ کر پچھلے حصے کی طرف چل پڑیں گے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے، ابا جان ہمارے اس اقدام کو پسند نہ کریں، کیونکہ وہ بھی تو وہیں موجود ہیں۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"انہوں نے ہمیں کب منع کیا ہے کہ ہم ہوٹل میں جا کر نہ بیٹھیں اور پھر وہ خود اپنی شکل اور صورت بدل کر وہاں گئے ہوں گے۔ اس لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کس قسم کے میک اپ میں ہیں۔ ہم انہیں پہچان بھی سکیں گے یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے ہم انہیں نہیں پہچان سکتے۔"

"یہ تو اور بھی لطف رہے گا۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"لیکن یہ تو سوچ لو کہ ہوٹل تھری اسٹار میں صرف چائے پینے کا بل بھی ہم ادا کر سکیں گے یا نہیں؟" فاروق نے کہا۔

"فکر نہ کرو، ابا جان نے مجھے نوٹوں کی پوری ایک گڈی دے رکھی ہے کہ شاید گیخ میں بے فکری سے گھوم پھر سکیں"، محمود نے کہا۔

"ارے، یہ تو ہمیں معلوم ہی نہیں ـــــ تو پھر آؤ چلتے ہیں"، آخر فاروق نے بھی منظوری دے دی۔

وہ سفری ستار ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ گھومتے گھومتے وہ نہ جانے کس طرف نکل آئے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہوٹل کس طرف ہے۔ انہوں نے ایک رکشے والے سے پوچھا تو وہ انہیں گھورنے لگا۔ پھر پتا بتاکر چلتا بنا۔

وہ ہوٹل کے دروازے میں داخل ہوئے۔ اندر ہال کھچا کھچ بھرا تھا، صرف چند ایک میزیں خالی تھیں۔ وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھنے لگے۔ اسی وقت ہال کے لاؤڈ سپیکر پر ایک آواز ابھری۔

"حضرات، آج آپ سب کو ایک دلچسپ کھیل دکھایا جائے گا اور اس کھیل کی کوئی الگ فیس نہیں لی جائے گی۔ کھیل چند منٹ تک پیش کیا جانے والا ہے۔"

یہ اعلان سن کر لوگ زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ تالیوں کی گونج میں انہوں نے دیکھا، ایک بوڑھا آدمی اوپر سے سیڑھیاں اترتا نیچے آرہا تھا۔ اس کے پیچھے کئی دوسرے مسافر بھی تھے۔

٭ ٭ ٭

بوڑھے نے دروازہ کھول دیا۔ ایک بیرا دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" بوڑھے نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔



"آج نیچے ہال میں ایک دلچسپ کھیل دکھایا جارہا ہے۔ اس کھیل میں یہاں ٹھہرے ہوئے تمام مسافروں کو دعوت دی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو تکلیف دی ہے۔"

"یہ کس قسم کا کھیل ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں بے تاج بادشاہ کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں"، بیرے نے کہا۔

"اچھی بات ہے، میں نیچے پہنچ جاؤں گا"، بوڑھے نے کہا۔

"پروگرام ٹھیک پانچ بجے شروع ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔"

بیرے کے جاتے ہی اس نے دروازہ بند کرلیا اور جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگا۔ پھر اس نے اپنی جیبوں میں کچھ چیزیں رکھیں اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے دروازے کا تالا لگایا اور نیچے اترنے لگا۔ عین اسی وقت لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا گیا۔

"حضرات، آج آپ سب کو ایک دلچسپ کھیل دکھایا جائے گا اور اس کھیل کی کوئی الگ فیس نہیں لی جائے گی۔ کھیل چند منٹ تک پیش کیا جانے والا ہے۔"

اعلان ختم ہونے تک بوڑھا سیڑھیاں اتر کر ہال میں پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کی نظر تینوں بچوں پر جم کر رہ گئی تھی۔ تینوں اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ ان سے تھوڑے فاصلے



پر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے ان کی باتیں بخوبی سن سکتا تھا۔

"یہ بوڑھا ہمیں دیکھ کر چونکا کیوں تھا؟" فاروق دبی آواز میں کہہ رہا تھا مگر بوڑھے نے آواز پھر بھی سن لی اور مسکرانے لگا۔

"دیکھو، وہ مسکرا رہا ہے۔ اس نے ضرور تمہارا جملہ سن لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کے کان بہت تیز ہیں"، محمود نے کہا۔

"تو کیا ہوا؟ کیا ہم اس کی برائی کر رہے ہیں"، فرزانہ بولی۔

"پھر بھی احتیاط کرنی چاہیے۔"

"خیر چھوڑو ـــــ اور یہ نہ بھولو کہ ابا جان بھی یہیں کہیں ہوں گے"، محمود نے کہا۔

"چھوڑوں کیا چیز؟" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"نہ جانے وہ کیسا کھیل ہے جو یہ لوگ دکھانا چاہتے ہیں"، محمود نے اس کے جملے پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔"

وہ چائے کا آرڈر دے چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا، بوڑھے نے بھی صرف چائے کا آرڈر دیا تھا اور پھر جونہی چائے ان کی میز پر رکھی گئی ـــــ ہال کی بتیاں بجھ گئیں، صرف سٹیج پر روشنی رہ گئی۔ سب لوگ سٹیج کی طرف دیکھنے لگے۔ ہال میں اب مکمل اندھیرا تھا اور وہ صرف نزدیک کے لوگوں کو دیکھ سکتے تھے، وہ بھی سایوں کی صورت میں۔

عین اسی وقت ایک بار پھر لاؤڈ سپیکر سے آواز گونجی:



"حضرات، کھیل شروع ہوتا ہے۔ اس قدر دلچسپ کھیل آپ نے اپنی زندگی میں بہت کم دیکھے ہوں گے۔ ہوٹل کے ایک ملازم نے بے تاج بادشاہ کے حکم کے مطابق عمل نہیں کیا تھا۔ اس وقت سے وہ قید میں ہے۔ اب اسے چھوڑا جارہا ہے ـــــ اس کا مقابلہ ایک نئے نوجوان سے کرایا جائے گا۔ اگر یہ نوجوان جیت گیا تو پہلے ملازم کی جگہ اسے رکھ لیا جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ پہلے ملازم کو زندہ نہ چھوڑے اور اگر پہلے ملازم نے نئے نوجوان کو شکست دے دی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تو اس کا قصور معاف کردیا جائے گا۔ یہ کھیل آپ کی خدمت میں تھری ستار ہوٹل کے مالک بے تاج بادشاہ کی طرف سے بالکل مفت پیش کیا جارہا ہے۔"

اعلان ختم ہوگیا۔ ہال میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ کھیل تو موت اور زندگی کا کھیل تھا۔ اسی وقت سٹیج کا ایک دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد کا نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فوراً دوسرا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک لمبے قد کا نوجوان سٹیج پر آیا۔ دوسرا نوجوان پہلے کے مقابلے میں بہت طاقت ور تھا اور اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ناچ رہی تھی، جیسے اپنے مدمقابل سے کہہ رہا ہو:

"تمہیں تو میں ایک ہاتھ سے مار ڈالوں گا۔"

پھر دونوں آمنے سامنے آکھڑے ہوئے۔ ایک بار پھر لاؤڈ سپیکر پر آواز ابھری:

"چھوٹے قد کا نوجوان پہلا لازم ہے ــــ لمبے قد والا نیا امیدوار ہے ــــ اب مقابلہ شروع کیا جاتا ہے۔ شاباش ایک دوسرے پر جھپٹ پڑو۔ یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے، تمہاری ملازمت کا سوال ہے، ایک دوسرے کا بالکل لحاظ نہ کرنا۔ جس نے بھی لحاظ کیا وہ مارا جائے گا:"

آواز کے بند ہوتے ہی وہ ایک دوسرے پر چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو گئے۔



# بوڑھا میدان میں

محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا کہ پتلا آدمی بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ انھوں نے سوچا، یہ تو چند منٹ بھی مقابلے پر نہیں ٹک سکے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ بھی تھا کہ اس کی زندگی کے چند لمحے رہ گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ لمبا چوڑا نوجوان اس پر چھلانگ لگاتا، ہال میں ایک آواز گونجی:

"یہ ظلم ہے" آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

سب چونک کر دیکھنے لگے۔ اندھیرے کی وجہ سے لوگ یہ نہ جان سکے کہ آواز کس کے حلق سے نکلی تھی۔ ہال میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ لڑنے والے بھی اپنی اپنی جگہوں پر ٹھٹک کر رہ گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

"یہ کون بولا تھا؟" لاؤڈ سپیکر سے آواز گونجی "ٹھہرو، میں خود آ رہا ہوں" ان الفاظ کے ساتھ ہی ہال میں روشنی ہو گئی۔

اب انہیں پتا چلا کہ لاؤڈ سپیکر پر اس وقت تک بے تاج بادشاہ بول رہا تھا اور اب وہ خود آ رہا تھا۔

"لو بھئی، وہ آ رہا ہے" محمود کے منہ سے نکلا۔



"تو آنے دو ــــ ہم اسے آنے سے کس طرح روک سکتے ہیں" فاروق نے کہا۔

"اس کی تو شامت آ گئی جو بولا تھا" فرزانہ نے رنجیدہ ہو کر کہا۔

"لیکن بولا کون تھا؟" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کم از کم میں تو ہرگز نہیں بولا تھا" فاروق نے کہا۔ محمود اور فرزانہ مسکرانے لگے۔

اسی وقت انہیں بے تاج بادشاہ آتا نظر آیا۔ سٹیج کے پاس پہنچ کر اس نے گرج دار آواز میں کہا:

"وہ کون ہے جسے یہ کھیل ظلم نظر آتا ہے ــــ کون بولا تھا؟"

دوسرے ہی لمحے محمود، فاروق اور فرزانہ بُری طرح چونکے۔ بوڑھا اپنی کرسی سے اُٹھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ طاری تھی۔

"م ــــ م... میں بولا تھا" اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم جانتے ہو..... اس کی سزا کیا ہے؟"

"نہیں، مجھے نہیں معلوم" اس نے لرز کر کہا۔

"اس کی سزا یہ ہے کہ اب تم اس ہوٹل سے باہر نہیں جا سکو گے" بے تاج بادشاہ نے گرج دار آواز میں کہا۔

"اوہ، خدا کا شکر ہے، یہ تو کوئی سزا نہ ہوئی۔ میں بڑی خوشی سے ہوٹل میں ہی رہنے کے لیے تیار ہوں"

"ہا ہا ہا" بے تاج بادشاہ نے قہقہہ لگایا "تم غلط سمجھے۔ تمہیں



یہاں قیدیوں کی طرح رہنا ہوگا۔ تم کبھی بھی ہوٹل سے باہر نہیں جاؤ گے"

"اوہ ــــ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ میرے ردی بچے کیا کریں گے۔ وہ تو بھوکوں مر جائیں گے"

"بکو مت، اب تم اس ہوٹل کے قیدی ہو"

"کیا کوئی اور صورت نہیں ہے"

"کوئی اور صورت ــــ چلو تم ہی بتاؤ ــــ تم کیا چاہتے ہو؟"

"اس پتلے دُبلے آدمی کی بجائے میں نئے آدمی سے مقابلہ کر لیتا ہوں" بوڑھے نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا کہا؟ تم مقابلہ کرو گے اور اس سے ــــ ضرور تمہارا دماغ چل گیا ہے"

"ایسی کوئی بات نہیں ــــ میں اپنے ہوش و حواس میں ہوں، لیکن تمہیں بھی میری ایک شرط ماننا ہوگی"

"اوہ، تو تم کوئی شرط بھی رکھتے ہو"

"بالکل! آخر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کا کوئی تو فائدہ ہو"

"تم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، اس پتلے دُبلے نوجوان کو چھوڑ دیا جائے۔ اسے آزاد کر دیا جائے۔ اس کی جگہ میں خود کو پیش کرتا ہوں"

نہ صرف محمود، فاروق اور فرزانہ بلکہ ہال میں موجود تمام لوگ حیران رہ گئے۔

"مجھے منظور ہے، کرسی چھوڑ کر سٹیج پر آجاؤ۔ یہ نوجوان آزاد ہے۔ اگر مقابلہ دیکھنا چاہے تو تمہاری کرسی پر بیٹھ کر مقابلہ دیکھ سکتا ہے اس کے بعد یہ یہاں سے جا سکتا ہے۔ مقابلے کا نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے۔"

"بہت خوب ـــ یہ ہوئی نا بہادروں والی بات" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔ لوگ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

پتلا دبلا نوجوان تو اسے اس انداز سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی دیوانہ ہو۔ آج کے دور میں کون کسی کے لیے اپنی زندگی کو داؤ پر لگاتا ہے پورے ہال کے لوگوں کو یقین ہو چلا تھا۔ بوڑھے کی موت نے اسے آواز دی ہے۔

بوڑھا اب سٹیج کا رخ کر رہا تھا اور پتلا دبلا نوجوان اس کی کرسی کی طرف آرہا تھا۔ راستے میں دونوں ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ ایک لمحے کے لیے وہ رُک گئے۔ پھر پتلا دبلا نوجوان بوڑھے سے لپٹ گیا اور پتلا کر بولا:

"نہیں ..... نہیں، میں تمہاری زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ یہ مجھ سے نہیں دیکھا جائے گا۔"

"کوئی فکر نہ کرو ـــ اللہ پر بھروسہ رکھو اور اگر مقابلہ دیکھنے کا حوصلہ نہ ہو تو باہر چلے جاؤ۔ بے تاج بادشاہ سب کے سامنے کہہ چکا ہے کہ تم آزاد ہو ـــ جاؤ ـــ" بوڑھے نے اسے دوسری طرف دھکیل دیا اور



پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا ہوا کرسی کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس مقابلے کو دیکھے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ سب نے دیکھا..... اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

بوڑھا سٹیج پر پہنچ چکا تھا۔ بے پونے نوجوان نے اسے مذاق اڑانے والے انداز میں ہنس کر دیکھا اور بولا:

"بوڑھے، کیوں اپنی جان کھوتا ہے۔ مجھے تمہارے بڑھاپے پر ترس آرہا ہے۔"

"بھائی کیا کروں ـــ اس غریب نوجوان کو مرتے دیکھنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"بہت اچھا، کس چیز سے مقابلہ کرو گے؟"

"کشتی لڑ لیتے ہیں" بوڑھے نے معصوم صورت بنا کر کہا اور ہال میں قہقہے گونجنے لگے۔ بے تاج بادشاہ بھی بے تحاشا ہنس رہا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن نیچے گرا لینے کے بعد میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے ملازمت اسی شرط پر ملے گی۔"

"چلو، میری جان جانے سے اگر تمہیں ملازمت ملتی ہے تو یہ کوئی بُرا سودا نہیں ہے۔"

ایک بار پھر سب نے بوڑھے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اب تو بہت سے لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ بوڑھے کا ضرور دماغ خراب ہے۔

دونوں نے ہاتھ آگے بڑھائے۔ انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور زور



لگانے لگے۔ لمبے چوڑے نوجوان نے بوڑھے کو ایک زوردار جھٹکا مارا ـــ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بوڑھا تو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے دھوبی پاٹ مارنے کی کوشش کی لیکن بوڑھا اس کی کمر پر سے ہوتا ہوا چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اب تو سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مقابلہ بہت دلچسپ ہو گیا تھا۔ لمبا چوڑا نوجوان یہ دیکھ کر جھلا اُٹھا تھا۔ اس نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے تھے۔ جب کچھ بس نہ چلا تو اچانک اس نے پنڈلی کے ساتھ لگا ہوا چاقو نکال لیا۔

"بہت خوب، یہ ہوئی نا بات" بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ بے چین ہو گئے۔ بوڑھا چاقو کے وار سے بچنے کے لیے پَر تول رہا تھا۔ اچانک چاقو کی نوک نے بوڑھے کے پیٹ کا رُخ کیا۔ کئی ایک لوگوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں، لیکن بوڑھا تو اب بھی دُور کھڑا تھا۔ لمبا چوڑا نوجوان اب آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اس نے تیزی سے چاقو والے ہاتھ کو گھمانا شروع کر دیا جیسے تلوار چلا رہا ہو اور آگے بڑھنے لگا۔ بوڑھا پیچھے ہٹنے لگا۔ اچانک اس کی کمر دیوار سے لگ گئی۔ اب پیچھے ہٹنے کا راستہ نہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر چاقو والے کے چہرے پر ایک وحشیانہ چمک لہرا گئی۔ ایک لمحے کے لیے رُک کر اس بوڑھے کے دل کا نشانہ لے کر وار کیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کا سانس سینے میں اٹک سا گیا۔



چاقو دیوار پر لگا۔ بوڑھا ایک دم نیچے بیٹھ گیا تھا۔ اس مرتبہ اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ بیٹھ گیا بلکہ نوجوان کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ وہ دھڑام سے فرش پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا اور مروڑنے لگا۔ نوجوان کے منہ سے کراہیں نکلنے لگیں۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ چاقو کا پھل فرش سے ٹکرایا تھا۔ اس کی آواز پورے ہال میں سنی گئی۔ لوگ سانس روکے یہ ہولناک مقابلہ دیکھ رہے تھے۔ چاقو گرنے کے بعد بھی بوڑھے نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔ پھر اس نے اپنا بایاں ہاتھ کھڑا کر کے نوجوان کی گردن پر مارا۔ اس کے منہ سے ایک خوف ناک چیخ نکلی۔ اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ لکڑی کے ایک تختے کی طرح فرش پر آرہا۔

* * *

چند لمحے تک ہال میں سکتے کا عالم طاری رہا۔ پھر ایک شخص کی تالیوں کی آواز نے سب کو جھنجھوڑ سا دیا۔ انہوں نے دیکھا، بے تاج بادشاہ تالیاں بجا رہا تھا۔

"بہت خوب ـــ میں تمہیں اپنے پاس ملازم رکھنے کے لیے تیار ہوں۔ اس لمبے چوڑے گدھے کی جگہ ـــ کیا یہ مر گیا ہے؟"

"نہیں، صرف یہ بے ہوش ہوا ہے۔ ویسے میں اگر ہاتھ زور سے رسید کر دیتا تو اس کا مر جانا بھی ممکن تھا۔"

"بہت خوب ـــ تم تو کمال کے آدمی ہو ـــ بولو، کیا میرے پاس

ملازمت کرو گے۔ میں تمہیں منہ مانگے پیسے دوں گا۔"

"کیوں نہیں..... گھر سے ملازمت کی تلاش ہی میں نکلا ہوں۔" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"تو ٹھیک ہے — میرے ساتھ آؤ — شرائط طے کریں۔" بے تاج بادشاہ نے کہا۔ پھر کاؤنٹر والے کی طرف مڑ کر بولا:

"اس گدھے کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔"

"بہت بہتر جناب۔" اس نے جھک کر کہا اور دو بیروں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے بے ہوش نوجوان کو ہاتھوں اور پیروں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے ہوٹل سے باہر لے چلے۔ بوڑھا بے تاج بادشاہ کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔

"یار، یہ بوڑھا تو کمال کا آدمی نکلا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، میں سوچ رہا ہوں۔ ابا جان کہاں ہیں۔" فاروق بولا۔

"ضرور ہال میں ہی کہیں موجود ہوں گے۔"

"کھیل ختم ہو چکا — اب ہم کیا کریں۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا کر سکتے ہیں۔ رات سے پہلے تو ہوٹل میں داخل ہونے کی کوشش کر نہیں سکتے۔" محمود بولا۔

"تو کیا رات تک یہیں بیٹھنے کا ارادہ ہے۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں، چلو ادھر ادھر گھومتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن جانے سے پہلے ہوٹل کا بل تو ادا کر دو۔" محمود مسکرایا۔



"نوٹوں کی گڈی تمہاری جیب میں ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

محمود نے بیرے کو اشارے سے قریب بلایا اور اسے بل لانے کو کہا۔ انہوں نے صرف تین کپ چائے پی تھی اور سوچ رہے تھے کہ دیکھیں کتنا بل آتا ہے۔

"کم از کم پندرہ روپے کا بل لے کر آئے گا۔" محمود نے کہا۔

"پھر تو ہم سستے چھوٹ جائیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"تو کیا تم چاہتے ہو پینتالیس روپے کا بل آئے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"میں تو چاہتا ہوں، ڈیڑھ روپے کا بل آئے۔ آخر ہمارے ماں بھی تو آٹھ آنے کا کپ ملتا ہے۔"

اسی وقت بیرا بل لے آیا۔ انہوں نے بل پڑھا۔ اس پر صرف ساڑھے روپے لکھے تھے۔



# پائپ کے راستے

"میں نے تم سے زیادہ پھرتیلا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" بے تاج بادشاہ بوڑھے سے کہہ رہا تھا۔ دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے کو دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ بے تاج بادشاہ نے دو گھنٹے آرام کیا تھا۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"پہلے کیا کام کرتے رہے ہو اور کہاں؟" اس نے پوچھا۔

"دراصل میں سرکس میں ملازم تھا۔ تقریباً ساری عمر سرکس میں لوگوں کو کرتب دکھاتا رہا۔ اس عمر میں آ کر سرکس کے کام سے فرصت ہو گئی۔"

"ہوں، تبھی تم اس قدر پھرتیلے ہو — میں بھی کہوں — خیر میں تم سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔" بے تاج بادشاہ نے اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک کام — آپ نے تو کہا تھا کہ ملازم رکھنا چاہتے ہیں۔" بوڑھے کے لہجے میں بلا کی مایوسی تھی۔

"پہلے یہ کام کر دو — پھر باقاعدہ ملازمت بھی مل جائے گی۔ جو کام میں تمہارے ذمے لگانے والا ہوں، اگر تم نے کر دیا تو میں تمہیں دس ہزار روپے دوں گا۔ اور اس کے بعد ہر ماہ تین ہزار روپے تنخواہ دیا کروں گا۔ کام بالکل معمولی ہے۔"



بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"خیر بتائیے — میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔"

"پہلے تو یہ بتاؤ..... تمہارا نام کیا ہے؟"

"شیر علی۔" بوڑھا بولا۔

"ہاں تو شیر علی، شہید گنج میں آج کل ایک نوجوان جس کا نام رحمت علی ہے، کہیں چھپا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی اور تین بچے بھی ہیں۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ انہیں تلاش کرو اور جہاں کہیں بھی وہ نظر آ جائیں، مجھے خبر کر دو — یا پھر خود ہی ان پر قابو پا کر میرے پاس لے آؤ۔ کیا خیال ہے، کیا تم یہ کام کر سکو گے؟"

"یہ بھی کوئی کام ہے — میں چٹکیوں میں کر دوں گا — لیکن سوال یہ ہے کہ میں انہیں پہچانوں گا کیسے؟"

"میں تمہیں اس کی تصویر دکھا دیتا ہوں۔ ہمارے ہوٹل میں آنے والے ہر قسم کے آدمیوں کی تصویر ضرور اتاری جاتی ہے۔ اس کام پر میں نے ایک آدمی مقرر کر رکھا ہے۔"

"بہت خوب — پھر تو میری تصویر بھی اتر چکی ہوگی۔" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں ٹھہرو — میں تمہیں ان کی تصویریں دکھا دوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کرسی سے اٹھ کر ایک الماری کھولی اور اس میں سے نیلے رنگ کا ایک لفافہ نکالا۔ لفافہ اس نے میز پر الٹ دیا۔ اس میں

چند تصویریں تھیں۔ بے تاج بادشاہ نے ان میں سے تین تصویریں نکال کر شیر علی کی طرف بڑھادیں۔

"یہ ہے وہ آدمی ـــــ یہ اس کی بیوی اور یہ بچے ہیں۔"

"ہوں ـــــ لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ شہید گنج میں ہی موجود ہوں گے، ہو سکتا ہے یہ فرار ہو چکے ہوں۔"

"نہیں ـــــ شہید گنج سے باہر جانے والے ہر رستے کی میرے آدمی نگرانی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بچ کر نہیں جا سکیں گے۔" بے تاج بادشاہ نے کہا۔

"بہت اچھا ـــــ میں چند دن تک انہیں تلاش کر لوں گا اور آپ کو اطلاع دے دوں گا۔" شیر علی بولا۔

"یا ایک طریقہ اور بھی ہے..... لیکن نہیں..... بس یہی مناسب رہے گا۔" بے تاج بادشاہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"تو میں اب مجھے اجازت ہے۔" شیر علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں ٹھہرے ہوئے ہو نا؟" بے تاج بادشاہ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یہ شخص رحمت علی بھی اسی کمرے میں ٹھہرا تھا۔"

"اوہ ـــــ" شیر علی کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ پھر کہنے لگا: "آپ کو اس سے کیا دشمنی ہے؟"

"اس نے میرے ہوٹل کے ہال میں پستول نکال لیا تھا۔"

"ہوں ـــــ آپ بے فکر رہیں۔ اب یہ مجھ سے بچ کر نہیں جائے گا۔"



"بہت خوب، میں یہی چاہتا ہوں ـــــ اگر تم نے یہ کام انجام دے دیا تو سمجھو ملازمت پکی۔"

"شکریہ جناب ـــــ اب میں جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے، تم بدستور کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں ٹھہرے رہو۔ اب تم سے کوئی کرایہ نہیں لیا جائے گا۔" بے تاج بادشاہ نے فراخدلانہ لہجے میں کہا۔

"ایک بار پھر شکریہ۔"

بوڑھا شیر علی اٹھا ہی تھا کہ دھم کی آواز آئی۔ دونوں چونک اُٹھے۔

× × ×

ستائیس روپے کا بل دیکھ کر انہیں غصہ تو بہت آیا لیکن وہ دیکھ ہی چکے تھے کہ بل ادا نہ کرنے والوں کے ساتھ یہاں کس قسم کا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس لیے انہوں نے خاموشی سے بل ادا کیا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بار پھر وہ سڑکوں کا چکر کاٹ رہے تھے۔

"اس وقت صرف نو بجے ہیں جب کہ ہمیں گیارہ بجے کے قریب اندر داخل ہونے کی کوشش کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، دو گھنٹے گزارنا کون سا مشکل کام ہے۔" فاروق بولا۔

"تو کیا ہم دو گھنٹے تک سڑکوں کی خاک چھانتے رہیں گے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"سڑکوں پر خاک کہاں ہے، صاف ستھری سڑکیں ہیں۔" فاروق نے تیزی سے کہا۔



"میں نے محاورہ استعمال کیا ہے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"اب مجھے کیا معلوم ـــــ کہ تم محاورتاً بات کر رہی ہو۔ خیر ہم کسی پارک میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں، کیوں کیا خیال ہے؟"

"نیک خیال ہے۔" محمود مسکرایا۔

"یاد رہے، ہم صرف پونے گیارہ بجے تک وہاں بیٹھیں گے۔" فاروق نے گویا انہیں خبردار کیا۔

"یاد رہے گا۔" فرزانہ نے ایک دم کہا۔

کچھ دُور چلنے کے بعد انہیں پارک کی بجائے کھیل کا ایک میدان نظر آیا۔

"اب ہم پارک کہاں تلاش کرتے پھریں۔ اسی کو پارک سمجھ لیتے ہیں۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"تو میں بھی اعتراض کر کے کیا کروں گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

اور تینوں گھاس پر بیٹھ گئے۔ گھاس کے میدان میں ہوا کچھ ٹھنڈی تھی۔ انہیں سردی محسوس ہونے لگی۔

"یہاں تو سردی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کہیں تو چین سے بیٹھ جاؤ۔ ہوٹل سے اٹھتے تھے تو تم نے سڑکوں پر چکر لگانے پر اعتراض کیا تھا، اب یہاں آئے ہیں تو سردی لگنے لگی۔ تم اتنی نازک کب سے ہو گئی ہو۔" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"جب سے شہید گنج آئی ہوں۔" فرزانہ مسکرائی اور محمود کی ہنسی نکل گئی۔



اسی وقت انہوں نے دُور سے دو آدمیوں کو آتے دیکھا۔ یوں تو اور لوگ بھی گھاس پر چہل قدمی کر رہے تھے لیکن ان کی طرف کوئی نہیں آ رہا تھا۔ یہ دونوں آدمی سیدھے ان کی طرف آ رہے تھے۔

"ہوشیار ـــــ میں خطرے کی بُو سونگھ رہا ہوں۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"کبھی خطرے کی خوشبو بھی سونگھ لیا کرو۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہر وقت بُرے بُرے منہ بنانے والے کا منہ بُرا بن جاتا ہے۔" فرزانہ بھی کب چپ رہنے والی تھی۔

"پہلے اپنا منہ تو دیکھ لو آئینے میں۔" فاروق نے تڑ سے جواب دیا۔

"گھاس کے اس میدان میں آئینہ کہاں سے لاؤں۔" فرزانہ بھی کب چپ رہنے والی تھی۔

"یہ جو دو آدمی آ رہے ہیں، ان سے لے لو۔" فاروق جھٹ سے بولا۔

"کیا یہ دونوں گھر سے آئینے لے کر آئے ہوں گے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا ـــــ تم خود پوچھ لو۔"

"اچھی بات ہے ـــــ انہیں قریب آنے دو۔" فرزانہ بولی۔

"کیا پاگل پن ہے ـــــ کہیں سچ مچ آئینے کے متعلق نہ پوچھ بیٹھنا۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں، اس میں کیا حرج ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"وہ لوگ یقیناً پاگل خیال کریں گے۔"

"کرنے دو، کیا ان کے خیال کرنے سے ہم پاگل ہو جائیں گے۔"

"دھت تیرے کی" محمود نے تنگ آ کر ران پر ہاتھ مارا۔
اتنی دیر میں دونوں آدمی قریب آ چکے تھے۔ وہ آپس میں باتیں
رہے تھے۔ ان کے جسموں پر قیمتی لباس تھا۔ میدان میں جلنے والی روشنی
میں انہوں نے دیکھا۔ دونوں پولیس کی وردی پہنے ہوئے تھے اور بڑے
آفیسر دکھائی دے رہے تھے۔
وہ بالکل ان کے قریب سے گزرے لیکن ان کی طرف آنکھ اٹھا
کر بھی نہ دیکھا۔ اچانک کوئی چیز فاروق کے ہاتھ سے ٹکرائی۔ اسی وقت
پاس سے گزرنے والوں میں سے ایک کے منہ سے نکلا:
"ارے، میری گولی"
"گولی؟" دوسرے نے گھبرا کر پوچھا۔
"ہاں گولی — میرے ہاتھ میں تھی، نکل کر یہیں کہیں گر گئی"
"اوہ — یہ تو بہت بُرا ہوا" دوسرے کے منہ سے نکلا۔
"بہت بُرے سے بھی بُرا۔ اب گھاس میں گولی ملنا ناممکن ہے"
پہلا بولا۔
"پھر بھی ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے" دوسرے نے کہا۔
"ٹھیک ہے، گولی یہیں کہیں چند گز کے فاصلے تک گری ہے"
"آؤ اسے ڈھونڈ لیں"
دونوں گھاس پر اکڑوں بیٹھ گئے — اور ہاتھوں سے گھاس کو
ٹٹولنے لگے۔ ٹٹولتے ٹٹولتے وہ ان کے قریب آ گئے۔



"بچو، ہماری یہاں گولی گر گئی ہے — کیا تم تلاش کرنے میں ہماری
مدد کرو گے؟" پہلے نے ان سے کہا۔
"گولی کیسی جناب؟" محمود نے پوچھا۔ ویسے وہ ان کی باتیں سُن
چکے تھے۔
"کالے سے رنگ کی گولی ہے، مٹر کے دانے کے برابر"
"مگر وہ کس چیز کی گولی ہے" فاروق نے حیرت کا اظہار کیا۔
"دوائی کی" دوسرے نے جلدی سے کہا۔
"آپ ایک دوائی کی گولی کے لیے اس قدر کیوں پریشان ہو رہے
ہو۔ بازار سے جا کر دوسری خرید لو۔" فرزانہ نے انہیں معقول مشورہ دیا۔
"تم نہیں جانتے، وہ گولی یہاں نہیں ملے گی۔ دوسرے ملک سے
منگائی گئی ہے" پہلا بولا۔
"اوہ، تو یہ بات ہے — آؤ بھئی ان کی مدد کریں" فرزانہ نے
کہا۔
وہ تینوں بھی اکڑوں بیٹھ گئے اور گھاس میں ہاتھ مارنے لگے۔ پھر
تقریباً آدھ گھنٹہ گزر گیا۔ وہ تلاش کرتے کرتے تھک گئے۔
"اف خدا، گولی تو یہاں کہیں بھی نہیں ہے، اب کیا ہوگا" پہلے
نے پریشان ہو کر کہا۔
"آؤ ہوٹل چلیں" دوسرا بولا۔
"مم..... مگر....." پہلے نے کچھ کہنا چاہا، مگر دوسرا اس کی بات



کاٹ کر بولا۔
"بہشت..... سمجھا کرو — آؤ میرے ساتھ..... اچھا بچو
بہت بہت شکریہ"
دونوں تیزی سے اُٹھے، تقریباً دوڑتے ہوئے چلے گئے۔
"یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آیا" فرزانہ بولی۔
"اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے" محمود نے
کہا۔
"دونوں صرف ایک گولی کے لیے پریشان ہو رہے تھے" وہ بولی
"ہاں، کیا تم نے سُنا نہیں تھا کہ ہمارے ملک میں وہ گولی کہیں
ملتی" محمود نے آنکھیں نکالیں۔
"پھر بھی..... صرف ایک گولی کے لیے اتنی پریشانی اور تگ و دو
کچھ سمجھ میں نہیں آئی"
"تمہاری سمجھ پر تو پڑ گئے ہیں پتھر" فاروق مسکرایا۔
"بس ایک تم ہی تو سمجھ دار رہ گئے ہو" فرزانہ تلملا اُٹھی۔
"اس میں کیا شک ہے — یہ دیکھو — میرے ہاتھ میں کیا ہے"
فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔
"ظاہر ہے..... ہاتھی تو ہوگا نہیں" فرزانہ چیخی۔
"غور سے دیکھو" فاروق پھر بولا۔
فرزانہ نے اس کی ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک سیاہ رنگ کی



ننھی سی گولی موجود تھی۔
"معلوم ہوتا ہے، افیون کی گولی ہے۔ کیوں محمود؟" فرزانہ نے کہا
اور محمود کی طرف دیکھا، لیکن وہ تو گولی کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا
تھا۔ دفعتہً اس کے منہ سے کھوئے کھوئے انداز میں نکلا:
"یہ..... یہ..... تو..... اسی قسم کی گولی ہے..... جیسی وہ ابا جان
کو کھلا رہے تھے"
"کیا؟" دونوں نے چلا کر کہا۔
"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں" محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔
"تب پھر اسے سنبھال کر رکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اہم چیز ہو"
"بے فکر رہو۔ اب یہ میرے پاس محفوظ ہے"
"آخر یہ کیا چیز ہے — اور وہ دونوں اس کے لیے کیوں مرے جا
رہے تھے" فرزانہ کے لہجے میں ابھی تک حیرت تھی۔
"یہ تو کوئی ماہر ہی بتا سکتا ہے۔ اس گولی کا جائزہ لیا جائے گا"
"ہمیں جلد از جلد یہ گولی ابا جان تک پہنچا دینی چاہیے" فاروق
کو اچانک خیال آیا۔
"لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ نہ جانے وہ کہاں ہوں گے اور کس
قسم کے میک اپ میں ہوں گے" محمود بولا۔
"ہو سکتا ہے وہ ہم سے ملنے کے لیے بابا رحیم خان کے گھر آئیں"
"صبح سے پہلے نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ جانتے ہیں، آج رات ہم

ہوٹل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔"

آخر پونے گیارہ بجے وہ ہوٹل کی سمت چل پڑے۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ ہوٹل کے پچھلی طرف پہنچ چکے تھے۔ ہوٹل ابھی تک کھلا تھا لیکن پچھلے حصے میں آس پاس کوئی شخص نہیں تھا۔ انہوں نے ہر ہر طرح سے جائزہ لیا اور آخر گندے پانی کے ایک لوہے کے پائپ کے نیچے کھڑے ہوگئے۔

"اس پائپ کے علاوہ اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"پائپ ایک کمرے کی کھڑکی کے بالکل پاس سے ہو کر گزرتا ہے۔ کیوں نہ ہم چھت تک جانے کی بجائے اس کمرے میں اتر جائیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، کمرے میں کوئی ہو — اس لیے چھت پر اترنا بہتر رہے گا۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"ہم کمرے میں جھانک کر دیکھ لیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"اور اگر کمرے کا دروازہ دوسری طرف سے بند ہوا تو کیا کریں گے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"اس صورت میں واپس پائپ پر آجائیں گے اور اوپر چلیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"چلو بابا جو تمہارے جی میں آئے کر لینا۔ اب وقت ضائع نہ کرو۔"



سب سے پہلے فاروق آگے بڑھا۔ اس نے جوتے اتار کر زمین پر ہی چھوڑ دیے اور بندروں کی سی تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ وہ اس کام کا ماہر تھا۔

"یہ فاروق ہے..... یا بندر۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"مجھے تو بندر ہی لگتا ہے۔" فرزانہ نے بھی شوخ لہجے میں کہا۔

"میں سب سن رہا ہوں۔" اوپر سے فاروق بولا اور دونوں ہنس پڑے۔

صرف دو منٹ میں فاروق کھڑکی تک پہنچ گیا۔ اس نے پائپ پر سے ایک ہاتھ ہٹایا اور کھڑکی کی چوکھٹ پکڑ لی۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔ اور وہ کھلی ہوئی بھی تھی۔ آخر اس نے پیروں کو پائپ کے ساتھ چپٹا لیا اور دوسرا ہاتھ بھی پائپ سے ہٹا کر چوکھٹ پر جما لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیر پائپ پر سے ہٹا لیے۔ اب وہ چوکھٹ پکڑے لٹک رہا تھا۔ پھر وہ بازوؤں کے سہارے اوپر اٹھا اور کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ کھڑکی فرش سے کافی اونچی تھی۔ اس لیے اس نے پہلا ٹانگ لٹکا دی۔ وہ دھم سے فرش پر گرا۔



# گڑبڑ

"ارے، یہ آواز کیسی تھی؟" بے تاج بادشاہ نے چونک کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، کوئی چلتے چلتے گرا ہے۔" بوڑھے شیر علی نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں..... دیکھنا چاہیے — کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" یہ کہہ کر بے تاج بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اس نے زور سے گھنٹی بجائی۔ فوراً ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔

"اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر تمام کمروں کی تلاشی لو۔ مجھے ہوٹل میں کہیں گڑبڑ لگتی ہے — بلکہ یہاں سے کسی نزدیکی کمرے میں ضرور کوئی ہے۔"

"بہت بہتر — ہم سب سے پہلے دائیں بائیں اور نزدیک کے کمرے دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

نوجوان تیزی سے مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد شیر علی بولا:

"اب تم بھی جا کر آرام کرو۔"



"جی بہت اچھا۔"

بوڑھے شیر علی نے کہا اور وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ برآمدے میں ہل چل سی مچ چکی تھی۔ بے تاج بادشاہ کے ملازم ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے پچھلی طرف کھلنے والی کھڑکی کھولی اور نیچے جھانک کر دیکھا۔

تاروں بھرے آسمان کے نیچے اسے ایک لڑکا پائپ کے ذریعے اوپر چڑھتا نظر آیا۔ دوسرا نیچے کھڑا اوپر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پائپ کے ساتھ کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل آیا۔ اب اس کا رخ اس کمرے کی طرف تھا، جس کی کھڑکی پائپ کے ساتھ تھی۔ وہ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا — تلاشی لینے والے شاید اس کمرے کو باہر سے بند پا کر آگے بڑھ گئے تھے۔ بوڑھے نے آگے بڑھ کر دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کر زور سے دھکیلا، دو تین مرتبہ جھٹکے دیے لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے تلاشی لینے والے ملے۔

"کیا ماجرا ہے — کیا کچھ پتا چلا؟"

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر بے تاج بادشاہ کو کسی گڑبڑ کا خیال کس طرح آیا تھا؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔

"کسی کے کودنے کی آواز آئی تھی۔" شیر علی مسکرا کر بولا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے، کوئی بلی کودی ہو۔"

"بالکل ہو سکتا ہے — لیکن آدمی اور بلی کے کودنے کی آواز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بلی کودتی ہے تو آواز آتی ہی نہیں۔" شیر علی برابر مسکرا جا رہا تھا۔

"اوہ ہاں — یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیوں نہ ہم چل کر بے تاج بادشاہ سے کہہ دیں، ہوٹل میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"پہلے اچھی طرح اطمینان تو کر لو۔" اس نے کہا۔

"مگر..... تم کون ہو؟" ایک تلاشی لینے والے نے چونک کر کہا۔ شاید اسے اچانک خیال آیا تھا۔

"بے تاج بادشاہ کا نیا ملازم — اس نے مجھے آج ہی ملازم رکھا ہے۔ کیا تم آج ہال میں نہیں تھے جب وہ کھیل دکھایا گیا تھا؟"

"نہیں، ہم کمروں کی نگرانی پر مامور ہیں۔"

"بہت اچھا — اگر میرے بارے میں کوئی شک ہے تو جا کر بے تاج بادشاہ سے پوچھ لو۔ میرا نام شیر علی ہے۔ ویسے جس وقت اس نے دھماکے کی آواز سنی، اس وقت میں اس کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔"

"اوہ، پھر تو معاف کر دیں۔" وہ گھبرا کر بولا۔

"کوئی بات نہیں، سب ٹھیک ہے۔" شیر علی نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اچانک وہ چونک اٹھا۔ وہ آدمی ہال کی طرف جا رہے تھے۔

* * *



فاروق چونک اٹھا۔ کمرے میں کودنے کے بعد وہ کھڑکی کے ذریعے نیچے محمود کو پائپ کے ذریعے آتا دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک اس نے دروازے کی طرف دھیان نہیں دیا تھا کہ اچانک کسی نے دروازے کو زور سے دھکیلا۔ پھر دو تین جھٹکے بھی لگے۔ وہ گھبرا گیا — کیا کوئی دروازہ کھول رہا ہے۔ جلدی سے دروازے پر آیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ اس کمرے میں اترنا بے فائدہ ثابت ہوا تھا اور پھر دروازے کے باہر نہ جانے کون تھا، وہ کسی بھی لمحے اندر آ سکتا تھا۔ وہ دوبارہ کھڑکی کے پاس آیا۔ نیچے جھک کر دیکھا۔ محمود نزدیک پہنچ چکا تھا۔

"اوپر چلے چلو۔"

"کیوں؟" محمود نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہے، اس لیے چھت پر ہی جانا ہوگا۔"

"دھت تیرے کی — تم کیا کرو گے۔"

"میں بھی اوپر آ رہا ہوں۔"

محمود کھڑکی کے پاس سے ہوتا ہوا اوپر چڑھتا چلا گیا۔ فرزانہ اس سے کچھ فاصلے پر تھی۔ جب وہ بھی اوپر چلی گئی تو فاروق اچک کر کھڑکی پر چڑھا، اپنے پاؤں چوکھٹ پر ٹکائے اور پہلے ایک ہاتھ پائپ پر ڈالا، پھر دوسرا — اس کے بعد اس نے پاؤں بھی چوکھٹ سے اٹھا کر پائپ پر جما دیے۔ اس نے نیچے جھک کر دیکھا، کافی اونچائی تھی۔ اگر نیچے گر جاتا تو ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔



پانچ منٹ بعد تینوں ہوٹل کی چھت پر کھڑے گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔ چھت کے ساتھ ہی ایک زینہ تھا۔ زینے کا دروازہ بند نہیں تھا۔ سانس درست کرنے کے بعد وہ سیڑھیاں اترنے لگے۔ وہ پوری احتیاط سے کام لے رہے تھے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں کی آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔ سیڑھیاں ختم ہوتے ہی انہیں ایک چھوٹا سا برآمدہ نظر آیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس منزل پر ہوٹل کا صرف ایک کمرہ تھا۔ اس کمرے پر تالا لگا ہوا تھا اور تالا لگا ہونے کے باوجود ایک پہرے دار سنگین لگی رائفل کندھے پر رکھے سٹول پر بیٹھا تھا۔ اس کمرے کے ساتھ نیچے اترنے کا دوسرا زینہ تھا۔ اس زینے پر پہنچنے کے لیے انہیں پہرے دار کے سامنے سے گزرنا پڑتا اور وہ پکڑے جاتے۔ دوسری طرف یہ بات انہیں حیرت میں ڈال رہی تھی کہ جب دروازے پر تالا لگا ہوا ہے تو پھر رائفل والے پہرے دار کی کیا ضرورت ہے۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچے..... کہ ضرور اس کمرے میں کوئی بہت ہی زیادہ اہم چیز موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس کمرے کو اندر سے دیکھیں۔

محمود نے اشارہ کیا کہ واپس اوپر چلو۔ تینوں واپس چھت پر آ گئے اور فاروق نے دبی آواز میں کہا:

"کمرے کو اندر سے دیکھنا ضروری ہے۔"

"لیکن کیسے؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"یہ تم بتاؤ — ترکیبیں سوچنا تمہارا کام ہے۔"



"اچھی بات ہے — میں ابھی سوچ کر بتاتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا اور واقعی سوچ میں گم ہو گئی۔

"کب تک سوچ لو گی؟" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"چھت پر کوئی اینٹ تلاش کرو۔" آخر فرزانہ بولی۔

"کیا اس غریب کا سر پھاڑنے کا ارادہ ہے؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں، صرف بے ہوش کریں گے۔"

محمود اور فاروق چھت پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے چلے گئے لیکن کوئی اینٹ نظر نہ آئی۔ انہوں نے آ کر فرزانہ کو بتایا:

"چھت پر کوئی اینٹ نہیں ہے — کوئی اور ترکیب سوچو۔"

"میں ترکیبیں سوچنے کی مشین نہیں ہوں۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"تو ہم بھی اینٹیں بنانے کی مشین نہیں ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فرزانہ مسکرائی اور ایک بار پھر سوچنے لگی۔

"یار فاروق، معلوم ہوتا ہے، فرزانہ کی عقل جواب دے گئی ہے۔ اب ہم دونوں کو ہی کوئی ترکیب سوچنا ہوگی۔"

"ٹھیک ہے بھائی — آؤ سوچیں۔"

دونوں بھی سر جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ آخر فرزانہ ہی بولی:

"سنو، اس وقت نہ تو ہمارے پاس کوئی اینٹ ہے نہ پتھر اور کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے..... میرا مطلب ہے، اگر کھلونا نما ہتھیار ہیں بھی تو ان سے آواز پیدا ہوگی۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک چیز ہمارے پاس

ہے..... ہم اس کے ذریعے پہرے دار کو بے ہوش کر سکتے ہیں۔"

"اوہ وہ کیا چیز ہے؟" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"عقل؟" فرزانہ مسکرائی۔

"لاحول ولا قوۃ، بھلا یہ کیا بات ہوئی۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تو کیا یہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ خدا کے بندے عقل سے تو بہت بڑے بڑے کام لیے جاتے ہیں۔"

"تو بتاؤ ـــ اپنی عقل استعمال کرو نا ـــ ہم یہاں کیا کریں۔"

"ناراض نہ ہو۔ میرے پاس میری گڑیا موجود ہے اور اس موقع پر صرف وہی استعمال ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی آواز نہیں نکلتی۔"

"وہ مارا۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"ابھی کہاں مارا ـــ اب سنو۔ میں فرش پر رینگتی ہوئی پہرے دار کے پاس جاؤں گی اور لیٹے لیٹے گڑیا اس کے منہ کے پاس لے جا کر دبا دوں گی ـــ تم دونوں مجھ سے نزدیک ہی رہنا، کہیں وہ مجھے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ نہ لے۔"

"زبردست ترکیب ہے۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ ترکیبیں سوچنا تم پر ختم ہے۔"

"بس بس ـــ صرف کام کی بات کرو۔"

"تو پھر چلو، دیر نہ کرو، روانہ ہو جاؤ۔"

فرزانہ نے اپنی جیب سے ایک ننھی سی گڑیا نکالی اور زینے کی طرف



بڑھی۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ سینے کے بل فرش پر لیٹ گئی اور رینگنے لگی۔ پہرے دار اس سے زیادہ دور نہیں تھا، لیکن اس کا منہ نیچے جانے والے زینے کی طرف تھا۔ اس لیے فرزانہ بغیر کسی دقت کے اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ پھر اس نے اپنا دھڑ تھوڑا سا اوپر اٹھایا اور گڑیا اوپر کر کے اس کا پیٹ دبا دیا ـــ ساتھ ہی اس نے اپنا سانس روک لیا، ورنہ خود بھی بے ہوش ہو جاتی۔

پہرے دار کے منہ سے ہلکی سی ایک کراہ نکلی اور دوسرے ہی لمحے وہ سٹول سے فرش پر آ رہا۔



# گولیوں کا کمرہ

"آجاؤ ـــ یہ بے چارہ فرش پر آرام کر رہا ہے۔" فرزانہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

فوراً ہی محمود اور فاروق وہاں پہنچ گئے۔ محمود نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چابیوں کا ایک گچھا نکال لیا۔ اس نے باری باری تالے میں چابیاں لگانا شروع کیں۔ یہ بہت ہی خاص قسم کی چابیاں تھیں۔ آخر ایک چابی تالے کے سوراخ میں فٹ آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے تالا ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اس میں ہر طرف گتے کے ڈبے رکھے تھے ان ڈبوں کے سوا کمرے میں اور کوئی چیز نہ تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"ارے، یہ کیا ہے؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"خدا جانے کیا بلا ہے۔ کوئی ڈبا کھول کر دیکھو۔" محمود بولا۔

"کہیں اندر سے سانپ نہ نکل آئے۔" فاروق نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

"ہشت ـــ بھلا یہاں سانپ کا کیا کام یہ ہوٹل ہے کسی سپیرے



کا محل نہیں۔" فرزانہ نے اسے جھڑک دیا۔

"سپیروں کے پاس محل نہیں، جھونپڑے ہوتے ہیں۔" فاروق نے بھی فوراً جواب دیا۔

"اچھا بس..... باتیں نہ بناؤ ـــ ڈبا کھول کر دیکھو۔" محمود نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی زہریلی چیز ہو۔" فاروق ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یار تم اتنا ڈرتے کیوں ہو۔"

"تو تم خود کیوں نہیں کھول لیتے..... ویسے میں سمجھ گیا ہوں کہ ان میں کیا چیز ہے اور ابا جان نے ضرور ہمیں اس کمرے کی تلاشی لینے کے لیے ہی یہاں بھیجا تھا۔" فاروق نے کہا۔

"کیا کہا ـــ تم سمجھ گئے ہو ـــ اچھا بھلا بتاؤ تو ـــ اس میں کیا چیز ہے۔"

"ان ڈبوں میں ضرور اسلحہ ہے..... پستول، کارتوس وغیرہ۔" فاروق نے کہا۔

"یہاں اسلحے کا کیا کام ـــ کیا یہ لوگ ملک کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"کیا خبر ـــ یہی بات ہو۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"ویسے تمہارے خیال میں ان ڈبوں میں کیا چیز ہو سکتی ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہوٹل میں استعمال ہونے والی کوئی چیز۔" محمود بولا۔

"اس کے لیے اس قدر انتظام کی کیا ضرورت پیش آگئی کہ تالا بھی لگا ہوا ہے اور رائفل لیے پہرے دار بھی بیٹھا ہے۔"

"ہو سکتا ہے، کوئی بہت ہی قیمتی چیز ہو۔" فاروق نے کہا۔

"آخر تم لوگ ڈبا کھول کر کیوں نہیں دیکھ لیتے۔" فرزانہ نے جھنجلا کر کہا۔

"ہم ڈر رہے ہیں کہ کوئی خطرناک چیز نہ ہو ان میں۔"

"تو ہٹ جاؤ ــــ میں کھولتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس میں ہٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم جس ڈبے کے پاس کھڑی ہو اسی کو کھول لو۔" فاروق مسکرایا۔

"تم کسی وقت تو مذاق سے باز رہا کرو۔"

"بہت اچھا ــــ اب نہیں کروں گا۔ جب مذاق کی ضرورت محسوس ہو، بتا دینا۔" فاروق بھلا کب باز رہنے والا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے آج ساری رات اسی طرح کھڑے کھڑے گزر جائے گی، یہاں تک کہ پہرے دار ہوش میں آجائے گا اور رائفل ہم پر تان لے گا۔ اس وقت تم یہ سوچو گے کہ ہم کہاں اور کس حال میں ہیں۔" فرزانہ نے غصے میں آکر کہا۔

"غصہ مت کرو ــــ غصہ اچھی چیز نہیں ہے۔ عقل کو مار دیتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔



"اس وقت تو تمہاری عقل ماری گئی ہے۔"

"یار فاروق ...... واقعی ہم بہت وقت ضائع کر چکے ہیں، اب ڈبا کھول کر دیکھ ہی لو۔" محمود بولا۔

"تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ ہم بہت وقت ضائع کر چکے ہیں۔" فاروق نے کہا اور ایک گتے کے ڈبے کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ وہ چونک اٹھے۔ اس ڈبے میں چھوٹی چھوٹی ٹین کی ڈبیاں تھیں جو تقریباً سو کے قریب تھیں۔

"ارے، ان ڈبوں میں تو صرف ڈبیاں ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اور ان ڈبیوں میں کیا ہے؟" محمود مسکرایا۔

"تم تو ایسے مسکرا رہے ہو جیسے تم جان گئے ہو کہ ان میں کیا ہے" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، میں جان گیا ہوں۔ کیونکہ اس قسم کی ڈبیا پہلے دیکھ چکا ہوں۔"

"ارے تو بتاؤ نا۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"خود ہی ڈبیا کھول کر دیکھ لو۔"

فاروق نے ٹین کی ایک ڈبیا اٹھا لی اور اسے کھول کر دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اور فرزانہ اچھل پڑے۔ اس ڈبیا میں ایک سیاہ گولی موجود تھی۔ اس نے ڈبیا کو ہتھیلی پر الٹ دیا۔ گولی اب اس کے ہاتھ میں تھی۔

* * *



"اف خدا ..... اتنی سیاہ گولیاں، یہ کیا ماجرا ہے۔" فرزانہ نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ گتے کے ہر ڈبے میں سو گولیاں موجود ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، اور کمرے میں لاکھوں ڈبے موجود ہیں۔ پورا کمرہ ڈبوں سے بھرا ہوا ہے۔" محمود بولا۔

"تو پھر چلو ــــ یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔" فاروق نے ایک دم کہا۔

"کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔

"ہاں ــــ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ــــ ابا جان ضرور صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں گے کہ سیاہ گولیاں کہاں رکھی جاتی ہیں۔"

"لیکن اب ہم جائیں کہاں ــــ یہاں سے واپسی کے متعلق تو ہم نے ابھی تک سوچا ہی نہیں۔" فرزانہ کا لہجہ فکرمند تھا۔

"ہاں واقعی ــــ پائپ کے ذریعے چڑھنا تو آسان ہے، لیکن اترنا بہت مشکل ہے۔" محمود بولا۔

"پھر اب کیا کریں۔" فاروق نے کہا۔

"چلو فرزانہ، جلدی سے بتاؤ، اب کیا کریں۔" محمود بولا۔

"یہ بڑی مصیبت ہے، جہاں گاڑی اٹکتی ہے، فرزانہ کی شامت آجاتی ہے۔ میں لڑکی ہوں کوئی ترکیبیں بتانے کی مشین نہیں ہوں۔"



اس نے جھلا کر کہا:

"اس وقت تو تمہیں کچھ سوچنا ہی پڑے گا، ورنہ پہرے دار ہوش میں آگیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"اچھا بابا سوچتی ہوں ــــ ہاں آگئی ترکیب ذہن میں ــــ ہم یوں کیوں نہ کریں کہ کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں چھپ جائیں اور صبح سویرے یہاں سے نکل چلیں۔"

"کمرہ نمبر ایک سو بارہ ــــ یعنی جس میں ہم ٹھہرے تھے۔ تمہارا کیا خیال ہے ــــ کیا وہ خالی ہوگا۔" محمود سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں، اس ہوٹل میں بہت کم لوگ ٹھہرتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن اس چوکیدار کا کیا کریں گے۔ جو کسی جگہ بیٹھ کر سارے برآمدے کی نگرانی کرتا ہے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"وہ اس وقت کہاں جاگ رہا ہوگا اور اگر جاگ بھی رہا ہوگا اور ہمیں ٹوک بیٹھا تو اس گڑیا سے پھر کام لے لوں گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ترکیب بالکل معقول ہے، کیوں محمود؟" فاروق بولا۔

"بالکل ــــ اس وقت اس سے اچھی ترکیب تو خود فرزانہ بھی نہیں سوچ سکتی۔ ہماری تو بات ہی اور ہے۔" محمود مسکرایا۔

"تو پھر آؤ۔"

تینوں بے ہوش پہرے دار کے پاس سے ہوتے ہوئے زینے تک پہنچے اور سیڑھیاں اترنے لگے۔ اب وہ دوسری منزل پر تھے اور اس

جگہ سے کمرہ نمبر ایک سو بارہ تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔ دروازے کے قریب پہنچتے ہی وہ حیران رہ گئے۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ محمود نے اندر جھانک کر دیکھا، کمرہ اندر سے خالی تھا۔ انہوں نے اللہ کا نام لے اور اندر داخل ہو گئے۔



# ڈبیا خالی تھی

جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ نیچے سے جنگو سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آیا۔ پھر وہ تیسری منزل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا لیکن زینے پر پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ پہرے دار فرش پر پڑا سو رہا تھا۔ جنگو کو ایک دم غصہ آ گیا۔ اس نے ایک زور دار ٹھوکر پہرے دار کی پسلیوں میں رسید کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس پر اس نے تین چار ٹھوکریں اور ماریں۔ اس نے پھر بھی آنکھیں نہ کھولیں تو وہ بہت حیران ہوا۔ گھبرا کر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ کمرے کا تالا لگا ہوا تھا۔

اب وہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گیا اور لگا پہرے دار کو جھنجھوڑنے۔ آخر دس منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر جنگو پر نظر پڑتے ہی بوکھلا گیا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"تم جانتے ہو، ڈیوٹی کے دوران سونے والوں کو بے تاج بادشاہ کیا سزا دیتا ہے؟" جنگو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"لل..... لیکن ..... میں ..... میں سو تو نہیں رہا تھا۔"



"تو کیا فرش پر پڑے جاگ رہے تھے؟"

"نہیں، خدا جانے مجھے کیا ہوا تھا۔ اچانک میرا سر چکرایا تھا اور میں دھڑام سے گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"بہانے مت بناؤ، پیچھے ہٹو۔" جنگو نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خدا کی قسم..... میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

"تو ..... تو ..... کیا یہاں کوئی دشمن آ گیا تھا جس نے تمہیں کسی طرح بے ہوش کر دیا؟" جنگو نے گھبرا کر کہا۔

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا، لیکن میں اس طرح بیٹھے بیٹھے بے ہوش بھی نہیں ہو سکتا تھا۔"

"ہوں، اگر کوئی یہاں آیا تھا تو کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہونا چاہیے، تالا ٹوٹا ہوا ہونا چاہیے۔ لیکن تالا لگا ہوا ہے۔ ضرور تمہیں آنکھ آ گئی ہو گی اور تم سزا کے خوف سے جھوٹ بولنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"اچھا خیر، پہلے میں اندر کا جائزہ لے لوں۔"

یہ کہتے ہوئے جنگو نے جیب سے تالے کی چابی نکالی اور تالا کھول ڈالا۔ اندر تمام ڈبے جوں کے توں موجود تھے۔

"لیکن اس وقت یہاں آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" پہرے دار نے پوچھا۔

"ایک صاحب کی گولی گم ہو گئی ہے۔ اسے ایک گولی دینی ہے۔"



"لیکن یہ تو بے تاج بادشاہ کے اصول کے خلاف ہے۔"

"افسر بہت بڑا ہے اور پھر اس نے بے تاج بادشاہ کے لیے بہت کچھ کیا ہے، اس لیے دو گھنٹے تک منتیں کروانے کے بعد آخر وہ گولی دینے پر آمادہ ہو ہی گیا۔" جنگو نے کمرے کو بغور گھورتے ہوئے کہا۔

"کمرے کے تمام ڈبے جوں کے توں موجود ہیں۔ اگر کوئی یہاں آیا تھا تو اس سے تالا ہی نہیں کھلا ہو گا اور وہ تمہیں بے ہوش چھوڑ کر چلا گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں، یہاں کوئی نہیں آیا تھا ..... میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔"

"تو پھر ..... تم بے ہوش کس طرح ہو گئے؟"

"ضرور مجھے چکر ہی آیا ہو گا۔ خدا کے لیے اس واقعے کا ذکر بے تاج بادشاہ سے نہ کرنا۔"

"خیر، اس مرتبہ نہیں کروں گا، لیکن اگر تم پھر اس طرح بے ہوش ہوئے تو فوراً یہ بات اس کے علم میں لاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

جنگو نے ایک ڈبا کھول کر اس میں سے ٹین کی ایک ڈبیا نکالی اور بند کر کے باہر نکل آیا۔ اس نے دروازے کو تالا لگایا اور واپس مڑ گیا۔ بے تاج بادشاہ کے کمرے میں اس وقت وہی دونوں نوجوان افسر بیٹھے تھے محمود، فاروق اور فرزانہ کو کھیل کے میدان میں ملے تھے۔ اچانک

جگو اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ٹین کی چھوٹی سی ڈبیا تھی۔ بے تاج بادشاہ سونے کے لیے جا چکا تھا۔ ڈبیا دیکھ کر اس افسر کی جان میں جان آئی جس کی گولی گری تھی۔

"بہت بہت شکریہ" اس کے منہ سے نکلا۔ ساتھ ہی اس نے گولی لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

جگو نے ڈبیا کھولی اور پھر دھک سے رہ گیا۔ ڈبیا خالی تھی۔ اس میں گولی نہیں تھی۔

* * *

"کمال ہے، کمرے کا دروازہ کھلا ہے؛ حالانکہ بند ہونا چاہیے تھا" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کہیں یہ کمرہ کسی نے کرائے پر نہ لے لیا ہو" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"تب تو اسے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔ رات کے بارہ تو بجنے والے ہیں" فاروق نے خیال پیش کیا۔

"ہو سکتا ہے، وہ غسل خانے میں ہو"

"اب جو بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔ تم پہلے باہر والا دروازہ بند کرو۔ کہیں ہوٹل کا کوئی ملازم نہ ادھر آ نکلے" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا اور محمود نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"کیا میں غسل خانہ دیکھوں؟" فاروق نے پوچھا۔ محمود نے سر ہلا کر اسے اجازت دے دی۔



فاروق دبے پاؤں غسل خانے کی طرف بڑھا۔ غسل خانے کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا، جس کا مطلب تھا اندر کوئی نہیں ہے، پھر بھی اس نے پورا دروازہ کھول کر اطمینان کر لیا۔

"اندر کوئی نہیں ہے" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم رات یہاں آرام سے گزار سکتے ہیں" محمود بولا۔

"بالکل" فرزانہ چہکی۔

"لیکن کمرے کا دروازہ کھلا ہوا کیوں تھا؟"

"ہو سکتا ہے، کمرہ خالی ہونے کے بعد یہ لوگ اسے تالا لگاتے ہی نہ ہوں"

"ہوں، اس کمرے کی ایک الماری کو تالا ضرور لگا ہوا ہے" فرزانہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے، اس میں ہوٹل والوں کی کچھ ضروری چیزیں ہوں" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن جب ہم یہاں آ کر ٹھہرے تھے تو اس وقت تو اس الماری کو تالا لگا ہوا نہیں تھا" فرزانہ بولی۔

"تم تو بال کی کھال اتارتی ہو" فاروق جل گیا۔

"شکر کرو، تمہاری تو نہیں اتارتی" فرزانہ مسکرائی۔

"آج کا دن بھی عجیب ہے۔ پہلے ہمارے ہاتھ ایک گولی آئی، اس



اس کے بعد دوسری" فاروق بولا۔

"کیا کہا؟ کیا تم وہ گولی ساتھ لیتے آئے ہو" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں نمونے کے طور پر لے آیا ہوں — ابا جان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے"

"اور خالی ڈبیا وہیں رکھ آئے ہو" فرزانہ چونکی۔

"ہاں، اور کیا کرتا — اسے ساتھ لے آتا" فاروق نے لاپروائی سے کہا۔

"کہیں وہ لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں" محمود نے فکرمند ہو کر کہا۔

"کیوں بھلا — کیا یہ ضروری ہے کہ وہ وہی ڈبیا کھولیں اور اس ڈبیا میں سے گولی نکالیں۔ وہاں تو ہزاروں ڈبے موجود ہیں" فاروق نے جواب دیا۔

"خیر چھوڑو، ویسے ہمیں احتیاط کرنی چاہیے تھی" فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان کو بھی تو کچھ دکھانا تھا" فاروق بولا۔

"سوال یہ ہے کہ یہ گولیاں ہیں کیا بلا" فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"جواب یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی — رات کے بارہ بج رہے ہیں اور اسے مذاق سوجھ رہی ہے" محمود نے ٹانگ پر ہاتھ مارا۔

"تو پھر — اس وقت کیا کریں" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"سو جانا چاہیے" محمود بولا۔



"کمرے میں ایک ہی پلنگ ہے" فاروق جلدی سے بولا۔

"تو کیا ہوا، مفت میں پلنگ اور کمرہ مل گیا؛ ورنہ یہاں تو ایک رات کے پانچ سو روپے دینے پڑتے ہیں۔ آؤ اس پر گزارہ کر لیں گے"

تینوں لیٹے ہی تھے کہ غسل خانے میں قدموں کی آہٹ ہوئی۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ فاروق ابھی چند منٹ پہلے ہی تو غسل خانے کا جائزہ لے چکا تھا۔ پھر اب یہ آہٹ کیسی ہوئی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے، پھر پلنگ سے اتر آئے اور غسل خانے کے دروازے کے پاس دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے، تاکہ اندر سے نکلنے والے کی پہلی نظر ان پر نہ پڑے۔

# بوڑھے کی آمد

"ارے، گولی کہاں گئی؟" جگو کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب —— کیا ڈبیا میں گولی نہیں ہے؟" اس افسر نے پوچھا۔

"نہیں، شاید راستے میں کہیں گر گئی ہے۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"فکر نہ کریں، میں ابھی دوسری لے آتا ہوں۔ لیکن آپ اس واقعے کا ذکر بے تاج بادشاہ سے نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا۔" اس نے وعدہ کیا۔

"آپ یہیں ٹھہریں، میں ابھی آتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔"

جگو تقریباً دوڑتا ہوا اوپر پہنچا —— پہرے دار سٹول پر ہوشیار بیٹھا تھا۔ جگو کو دوڑتے دیکھ کر حیران رہ گیا اور گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے جناب، خیر تو ہے؟"

"تو تم چکر آنے کی وجہ سے بے ہوش ہوئے تھے۔" اس نے اُسے گھور کر کہا۔

"ہاں، بالکل۔" پہرے دار نے جلدی سے کہا۔



"لیکن —— یہ ڈبیا..... جو میں لے گیا تھا، خالی ملی ہے۔" جگو بولا۔

"خالی ملی ہے —— لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اب میں کیا جانوں ——"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس ڈبیا میں گولی رکھی ہی نہ گئی ہو۔" پہریدار نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا۔ خیر اس پر بعد میں فیصلہ ہوگا۔ اس وقت تو مجھے اس افسر کو گولی دینا ہے۔ تم پوری طرح چوکس رہیو۔ جو کوئی بھی ادھر آئے، اسے فوراً گولی مار دو۔" جگو نے اسے حکم دیا۔

"بہت اچھا۔ ایسا ہی ہوگا۔"

جگو نے ایک بار پھر دروازہ کھولا اور اسی ڈبے میں سے دوسری ڈبیا نکالی۔ اس مرتبہ اس نے کمرے میں ہی ڈبیا کھول کر دیکھ لی۔ اس میں گولی موجود تھی۔ باہر نکل کر اس نے تالا لگایا اور واپس اسی کمرے میں آیا۔

"یہ لیں گولی۔" اس نے ڈبیا میں سے گولی نکال کر اس افسر کی طرف بڑھا دی۔

"شکریہ۔"

"آپ کی گولی کس جگہ گری تھی؟"

"چرچ گراؤنڈ میں —— ہم سیر کر رہے تھے۔" اس نے کہا۔

"تو گولی ہاتھ میں لے کر سیر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" جگو نے کہا۔



"بس جیب میں ہاتھ چلا گیا تھا۔ بے خیالی میں گولی ہاتھ میں لے لی۔ پھر ہاتھ جیب سے باہر آ گیا۔ اتفاق کی بات کہ وہ ہاتھ سے نکل کر گھاس میں گر گئی۔"

"آئندہ آپ اس طرح گولی ہاتھ میں لے کر نہ چلیے گا۔" جگو نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

"ویسے آپ نے گولی تلاش کرنے کی کوشش تو کی ہوگی۔"

"آدھ گھنٹے تک تلاش کرتے رہے۔"

"ہوں، خیر کوئی بات نہیں۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔" جگو خالی ڈبیا ہاتھ میں نچاتے ہوئے بولا۔

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد جگو نے کمرے کے فرش میں بنے ایک مرغ نشان پر پاؤں کا انگوٹھا رکھ کر دبا ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے کمرے کی ایک دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہوا۔ دروازے کے نمودار ہونے میں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اندر داخل ہو گیا۔ فوراً ہی دروازہ بند ہو گیا اور اب دیوار میں کوئی ایسا نشان نہ تھا جس سے پتا چلتا کہ اس جگہ کوئی دروازہ موجود ہے۔

* * *

غسل خانے کا دروازہ کھلا اور بوڑھا شیر علی کمرے میں داخل ہوا۔ پھر فوراً ہی چونک کر پلٹا۔ اسے ایک دم کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ حیران رہ گئے کہ یک دم اسے کیسے پتا چل گیا۔ جوں ہی



شیر علی کی نظر ان پر پڑی، اس کے منہ سے نکلا:

"اوہ، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" آواز بہت موٹی تھی۔

"کیا آپ کو کچھ اور دیکھنے کی امید تھی۔" فاروق نے سوال کیا۔

"میں..... کچھ اور سمجھا تھا۔"

"لیکن کچھ دیر پہلے جب ہم نے غسل خانے میں جھانکا تھا، تو آپ اندر نہیں تھے۔ اب کہاں سے آ گئے۔ کیا آپ نے غسل خانے میں سیلمانی ٹوپی پہن رکھی تھی۔" فاروق کی آنکھوں میں واقعی حیرت تھی۔

"نہیں تو —— ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔"

"تو پھر آپ ہمیں نظر کیوں نہیں آئے؟"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں —— ہاں، یہ تو بتاؤ، تم کون ہو اور یہاں میرے کمرے میں کیوں نظر آ رہے ہو۔ کیا میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔"

"پولیس یہاں کہاں آئے گی۔ یہ بے تاج بادشاہ کا ہوٹل ہے۔"

"لڑکے، تم نے بتایا نہیں —— میں نے کیا پوچھا ہے۔"

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔" آخر محمود نے کہا۔

"کتنی لمبی —— کیا اس کے سنانے میں ساری رات گزر جائے گی۔" بوڑھے نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"دراصل ہم اس ہوٹل میں پھنس گئے ہیں۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ رات گزارنا چاہتے ہیں، صبح سویرے چلے جائیں گے۔ ویسے آپ بہت بہادر آدمی ہیں۔ ہم ہوٹل کے ہال میں آپ کو لڑتے دیکھ چکے ہیں۔"

"ادھر اُدھر کی نہ ہانکو، کام کی بات کرو۔" شیر علی نے انہیں ڈانٹا۔

"جی بہت اچھا ۔۔۔ آپ جو کہیں، وہی بات شروع کر دیتے ہیں ۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"تم ہوٹل میں کیا کرنے گئے تھے؟" شیر علی نے پوچھا۔

"جی ایک بہت ہی ضروری کام تھا۔" محمود بولا۔

"وہ کیا کام تھا؟" اس نے پوچھا۔

"جی بس ایک کام تھا۔ ہمارے والد صاحب نے اسے کرنے کا حکم دیا تھا..... سو ہم ہوٹل میں داخل ہو گئے۔" فاروق نے ڈرے ڈرے لہجے میں بتایا۔

"تم نے کام کی تفصیل نہیں بتائی۔" بوڑھے نے اسے گھورا۔

"جی..... وہ..... ہم کام کی تفصیل نہیں بتا سکتے۔" محمود ہکلایا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ والد صاحب ناراض ہوں گے اور ہمیں ان کی ناراضگی سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو۔" بوڑھے نے تیز آواز میں کہا۔

"جی نہیں، آپ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ اچھے نہ ہوتے تو اس نوجوان کا مقابلہ کیوں کرتے۔"

"پھر وہی ۔۔۔ کام کی بات کرو۔" بوڑھے شیر علی نے انہیں ڈانٹا۔



"جی..... اتنی دیر سے کام ہی کی تو بات کر رہے ہیں۔ درمیان میں ایک آدھ.....۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے، ایک آدھ بات منہ سے اِدھر اُدھر کی بھی نکل جاتی ہے۔"

"اچھا خیر ۔۔۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم رات یہاں گزارنا چاہتے ہو۔"

"جی..... جی ہاں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"میں کیوں نہ تمہیں بے تاج بادشاہ کے حوالے کر دوں۔" شیر علی نے پہلی مرتبہ مسکرا کر کہا۔

"ارے باپ رے، پھر تو ہم بے موت مر جائیں گے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"مجھے تم پر ترس آتا ہے ۔۔۔ اس لیے میری طرف سے اجازت ہے۔ اس پلنگ پر سو جاؤ۔"

"اور آپ کہاں سوئیں گے؟" فاروق نے پوچھا۔

"میرا فکر نہ کرو، میں فرش پر سو جاؤں گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ پلنگ پر سو جائیں..... ہم زمین پر سو رہتے ہیں۔"

"نہیں بھئی، تم میرے مہمان ہو۔"

"لیکن بن بلائے۔" فاروق نے جھٹ کہا اور شیر علی ہنسنے لگا۔



"میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو کمرے سے باہر نکال دوں گا۔"

"پھر تو مجبوری ہے۔" فرزانہ نے روتی آواز میں کہا۔

"اور ہاں..... ایک بات تو رہ ہی گئی۔" اچانک بوڑھے نے کہا۔

"جی..... وہ کیا؟"

"تمہاری جیبوں میں کوئی ہتھیار تو نہیں ہے۔"

"جی ہتھیار..... بھلا ہمارے پاس ہتھیار کا کیا کام۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"میں تمہاری تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"دیکھو، تم میرے مہمان ہو ۔۔۔ نہایت شرافت سے اپنی جیبوں کی تمام چیزیں نکال نکال کر میز پر رکھ دو۔"

"جی اچھا، جیسے آپ کی مرضی ۔۔۔" محمود نے کہا۔

اور تینوں اپنی جیبوں میں سے چیزیں نکالنے لگے۔ فرزانہ کی گڑیا کو دیکھ کر شیر علی بولا:

"تم اتنی بڑی ہو گئی ہو اور ابھی تک گڑیوں سے کھیلتی ہو۔"

"دراصل مجھے اس گڑیا سے بہت محبت ہے۔"

"اور تم ٹافیاں کھاتے ہو ۔۔۔ دانت خراب ہو جاتے ہیں۔" محمود کی جیب سے نکلنے والی ٹافی کو دیکھ کر اس نے کہا۔ پھر فاروق کی جیب سے



نکلنے والے پنسل تراش کو دیکھ کر بولا:

"ہاں، یہ چیز کام کی ہے۔"

تینوں اپنی جیبیں خالی کر چکے تھے، لیکن فاروق نے سیاہ گولیاں نہیں نکالی تھیں۔

"کیا تم سب چیزیں نکال چکے ہو؟" شیر علی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" محمود نے کہا۔

"تم بتاؤ۔" شیر علی نے فاروق سے پوچھا۔

"جی ۔۔۔ کیا اس کا بتانا کافی نہیں ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کیا تم اپنی جیب سے سب چیزیں نکال چکے ہو۔"

"جی..... وہ دراصل.....۔"

"ہوں، میں سمجھ گیا ۔۔۔ دونوں سیاہ گولیاں نکال کر میز پر رکھ دو۔" اس مرتبہ بوڑھے نے سرد آواز میں کہا تھا۔

ان کے منہ حیرت کی زیادتی سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

# بوڑھے سے دلچسپ جھڑپ

وہ بوڑھے شیر علی کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کا آدمی ہو۔ پہلی سیاہ گولی انہیں کھیل کے میدان سے ملی تھی اور دوسری ہوٹل کے کمرے سے۔ لیکن دونوں موقعوں پر بوڑھا موجود نہیں تھا۔ پھر اسے یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ فاروق کی جیب میں دو گولیاں موجود ہیں۔ کیا بوڑھا جادوگر ہے یا کالا علم جانتا ہے۔ آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو محمود نے حیرت بھرے لہجے میں کہا:

"کیا آپ جادوگر ہیں؟"

"نہیں تو ــــ کیوں، تم نے یہ کیوں کہا"۔

"آخر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ فاروق کی جیب میں دو سیاہ گولیاں ہیں"

"اندازہ لگایا تھا، جو صحیح نکلا"

"کمال ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ ہمیں دو مرتبہ حیران کر چکے ہیں، بلکہ تین مرتبہ..... پہلی مرتبہ ہوٹل میں، دوسری مرتبہ غسل خانے سے نکل کر..... کیونکہ ہم غسل خانے کو خالی دیکھ چکے تھے اور تیسری مرتبہ جب آپ کمرے میں داخل ہوئے تو فوراً ہی مڑ کر ہمیں دیکھ لیا جیسے آپ کے دو



آنکھیں پیچھے بھی لگی ہوں۔ آپ انسان ہیں یا بھوت؟" فاروق اسے بُری طرح گھور رہا تھا۔

"یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ پہلے وہ گولیاں نکالو" شیر علی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ان کا کیا کریں گے" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"مجھے ان کی سخت ضرورت ہے"

"لیکن یہ گولیاں ہم آپ کو نہیں دے سکتے، آپ ہمیں سونے دیں یا نہ دیں"

"کیا مطلب ــــ تم گولیاں مجھے نہیں دو گے" شیر علی نے حیران ہو کہا۔

"جی ہاں ــــ نہیں دیں گے"

"لیکن گولیوں کی تو مجھے بہت زیادہ ضرورت ہے"

"ہم مجبور ہیں" فاروق نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ادھر دیکھو..... میرے ہاتھ میں کیا ہے"

وہ ایک بار پھر حیران رہ گئے۔ انہیں پتا بھی نہ چلا کہ شیر علی نے کب پستول نکال لیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو، میں خود ہی گولیاں نکال لوں گا"

وہ دھک سے رہ گئے۔ کر بھی کیا سکتے تھے۔ ویسے انہوں نے خواب میں بھی یہ نہ سوچا تھا کہ بوڑھا اس طرح یکایک پستول بھی



نکال سکتا ہے؛ ورنہ وہ اس پر پہلے ہی حملہ کر دیتے۔ آخر انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور بوڑھا فاروق کی طرف بڑھا۔ جوں ہی وہ محمود کے قریب سے گزرا۔ اس نے اپنی ٹانگ ایک دم آگے کر دی۔ یہ ایک ایسی حرکت تھی کہ بوڑھا منہ کے بل فرش پر گرتا۔ لیکن محمود کو مایوسی ہوئی۔ بوڑھا بجلی کی سی تیزی سے اچھلا تھا اور اس کی ٹانگ پر سے ہوتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا تھا۔ اسی وقت فاروق نے جھکائی دے کر دوسری طرف نکل جانا چاہا، لیکن وہ تو اس کے بالکل سامنے پہنچ چکا تھا۔ فرزانہ نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ہاتھ مل کر رہ گئی۔ بوڑھا انہیں شکست پر شکست دے رہا تھا اور پھر اس نے فاروق کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس وقت فرزانہ کو کچھ کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ اچھلی اور بوڑھے کے پستول والے ہاتھ کو پکڑ کر لٹک گئی۔ اس نے سوچا تھا، اس طرح پستول والا ہاتھ فرش کی طرف جھک جائے گا اور فاروق اپنا بچاؤ کر سکے گا۔ لیکن ان کی سختی یہ دیکھ کر گم ہوگئی کہ ہاتھ ایک انچ بھی نیچے نہیں جھکا تھا؛ حالانکہ فرزانہ ابھی تک لٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت انہیں یوں محسوس ہوا جیسے بوڑھا گوشت پوست کا نہیں، لوہے کا بنا ہوا ہے۔

"بہت خوب، تم تینوں کی کوششیں بہت بہترین تھیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس وقت تک تم اس پر قابو پا چکے ہوتے۔ تمہیں جس آدمی نے بھی تربیت دی ہے، وہ ضرور کوئی بہت ہی ذہین اور ماہر



آدمی ہے" بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ہماری یہ بہترین کوششیں تو صفر کے برابر ثابت ہوئیں" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"اس لیے کہ مقابلے پر میں تھا۔ کوئی اور تو ہرگز نہیں سنبھل سکتا تھا"

"اچھا ــــ آپ جیتے ہم ہارے"

"نہیں..... ہم جیت کو برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں" بوڑھے نے شریر لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" تینوں چونکے۔

"مطلب یہ کہ اس پھرتی اور دلیری کا تمہیں کچھ تو انعام ملنا ہی چاہیے۔ اس لیے میں دو میں سے صرف ایک گولی لے لیتا ہوں"

یہ کہتے ہوئے اس نے صرف ایک گولی فاروق کی جیب سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ تینوں اس کے اس فیصلے پر بہت خوش ہوئے۔

"آپ کا شکریہ جناب"

"اور اب ہم سوئیں گے ــــ میں فرش پر اور تم پلنگ پر"

"اچھا جیسے آپ کی مرضی"

"اور ہاں، اب کوئی شرارت نہ کرنا"

"جی..... جی نہیں..... بالکل نہیں کریں گے"

فاروق نے گڑبڑا کر کہا لیکن فرزانہ تو کچھ کرنے کا پروگرام بنا بھی چکی تھی۔ پندرہ منٹ بعد بوڑھے کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

وہ قالین پر لیٹ کر ہی سو گیا تھا۔ نہ کوئی بستر لیا تھا اور نہ تکیہ۔ آنکھیں تو ان تینوں کی بھی بند تھیں لیکن نیند ان سے کوسوں دور تھی۔ آخر جب فرزانہ کو یقین ہو گیا کہ بوڑھا سو چکا ہے تو وہ دبے پاؤں اٹھی اور میز کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی نظریں برابر بوڑھے پر جمی تھیں۔ وہ بے حس و حرکت تھا۔ میز کے قریب پہنچتے ہی اس نے گڑیا اٹھالی۔ محمود اور فاروق تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ اب فرزانہ بوڑھے کی طرف بڑھ رہی تھی اس نے قدموں کی ہلکی سی آہٹ بھی پیدا نہیں ہونے دی۔

اور پھر وہ بوڑھے کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ تھوڑا سا جھکی اور بوڑھے کی ناک کے قریب کرتے ہوئے گڑیا کا پیٹ دبا دیا۔ ساتھ ہی اپنا سانس روک لیا۔ گڑیا کے پیٹ کے سوراخ میں سے دھوئیں کی ایک لکیر نکلی۔ اس کے ساتھ ہی محمود اور فاروق اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"وہ مارا — فرزانہ تم نے کمال کر دیا۔ بہت چالاک اور تیز طرار بنا پھرتا تھا۔" محمود نے کہا۔

"ایسا نہ کہو، ہم نے اس پر سوتے میں وار کیا ہے اور یہ کوئی بہادری نہیں ہے۔" فرزانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا، کیونکہ سوتے میں بوڑھے کو بے ہوش کر کے اسے دکھ ہو رہا تھا۔

"اوہ، مجھے بہت افسوس ہے، تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے اس طرح خوش نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خوش ہونے کا مقام تو اس وقت تھا جب



ہم جاگتے ہیں اس پر قابو پاتے۔" محمود نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"خیر — یہ ایک مجبوری تھی۔ اب جلدی سے اس کی جیب سے گولی نکال لو اور صبح ہونے سے پہلے اگر یہ ہوش میں آنے لگے تو ایک بار پھر گڑیا کا پیٹ دبا دینا۔" فاروق نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں یہی کروں گی۔" فرزانہ نے سر ہلایا۔

محمود سیاہ گولی نکالنے کے لیے آگے بڑھا اور پھر ٹھٹک کر رک گیا۔

"کیا بات ہے، رک کیوں گئے۔ کیا ایک بے ہوش آدمی سے ڈر لگ رہا ہے؟" فاروق نے کہا۔ مگر محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔

"معلوم ہوتا ہے، یہ کھڑے کھڑے سو گیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اس سے پہلے تو کبھی اس طرح نہیں سویا۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا اور آگے بڑھا۔ پھر اس کا بھی وہی حال ہوا جو محمود کا ہو گیا تھا۔

اب تو فرزانہ بہت حیران ہوئی۔ وہ بھی آگے بڑھی اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی مارے حیرت کے کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ بوڑھے کی آنکھیں کھلی تھیں اور اس کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

یہ ان کی زندگی کا سب سے حیران کن لمحہ تھا۔ بوڑھا گڑیا کے پیٹ سے نکلنے والے دھوئیں سے بے ہوش نہیں ہوا تھا اور پڑا مسکرا رہا تھا جب کہ یہ گڑیا پروفیسر داؤد نے خاص طور پر فرزانہ کے لیے بنائی تھی اور اس سے پہلے اور بہت سے دشمنوں کو اس کی مدد سے بے ہوش کر چکی تھی۔ پروفیسر داؤد کا



کہنا تھا کہ اس دھوئیں سے وہ آدمی تو بچ سکتا ہے جو گڑیا کے پیٹ سے نکلنے سے پہلے ہی سانس روک لے، ورنہ دھواں جس کی ناک میں بھی پہنچ گیا، وہ بے ہوش ضرور ہو گا — تو کیا دھواں بوڑھے کی ناک میں نہیں پہنچا تھا — لیکن، یہ کیسے ممکن ہے۔ بوڑھا تو سو رہا تھا۔

"کمال ہے، آپ آدمی ہیں یا کسی دوسری دنیا کی مخلوق۔"

"کیوں — کیا ہوا؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارے خیال کے مطابق اس وقت آپ کو بے ہوش ہونا چاہیے تھا۔" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ میں سرے سے سویا ہی نہیں تھا۔" بوڑھا مسکرایا۔

"اوہ، تو یہ بات تھی۔ اس کا مطلب ہے، آپ ہوشیار تھے۔"

"ہاں، تم لوگوں کی پھرتی اور چالاکی دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا، تم گولی حاصل کرنے کی ایک کوشش اور کرو گے۔"

"آپ ہم سے چالاک ہیں۔" فاروق نے بھی مسکراہٹ سے کہا۔ "اس وقت ہمارے ابا جان یہاں ہوتے تو ضرور آپ سے مل کر خوش ہوتے۔"

"میں بھی یقیناً ان سے مل کر خوش ہوتا، کیونکہ جس شخص کے بچے ایسے ہیں، وہ خود کیسا ہو گا۔"

"آخر آپ اس گولی کا کیا کریں گے؟" فرزانہ نے اچانک سوال کیا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر یہ گولی ہے کیا بلا؟" بوڑھے نے بتایا۔

"آپ یہ کیسے معلوم کریں گے؟"



"کوئی ماہر ڈاکٹر یا سائنس دان آسانی سے بتا دے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"آخر آپ کون ہیں؟" محمود نے سوال کیا۔

"ایک بوڑھا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اتنا بتا دیں کہ غسل خانے میں آپ کیوں نظر نہیں آئے تھے، جب کہ بعد میں اسی میں سے برآمد ہوئے ہیں؟"

"اس ہوٹل کے ہر غسل خانے میں ایک خفیہ دروازہ ہے۔ اس دروازے کے ذریعے بے تاج بادشاہ کے کمرے اور دربار تک جایا جا سکتا ہے۔"

"اوہ!" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"ان دروازوں کے ذریعے اس کے آدمی جب چاہیں، کسی بھی کمرے میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

"اوہ!"

اب انہیں یاد آیا، جب وہ پہلے روز ہوٹل کے ہال میں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئے تھے تو بے تاج بادشاہ کے تین غنڈے غسل خانے سے نکل کر کمرے میں آئے تھے۔

"آخر اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ بات بہت جلد شہید گنج کے لوگوں کو معلوم ہو جائے گی۔" بوڑھے نے پرجوش انداز میں کہا۔

اس کے یہ الفاظ سن کر وہ بے چین ہو گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کیا اس مرتبہ ان کے والد ناکام رہیں گے اور ان کی بجائے یہ بوڑھا کامیاب ہو جائے گا۔

آخر وہ کہاں ہیں۔ انہوں نے تو کہا تھا، وہ ہوٹل میں ہی موجود ہوں گے — وہ تو کہیں بھی نظر نہیں آئے۔

پھر وہ تمام رات سو نہ سکے۔ انہوں نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ صبح ہوتے ہی رحیم خان کے گھر پہنچ جائیں گے، ہو سکتا ہے وہاں ان کے والد موجود ہوں۔

# میدانِ عمل

ہوٹل سے نکلنا ان کے لیے مشکل ثابت نہیں ہوا — بوڑھے شیر علی کے ساتھ باتیں کرتے وہ ہوٹل سے باہر نکلے اور پھر اس سے رخصت ہو کر رحیم خان کے گھر کی طرف چل پڑے۔ گھر ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے ٹیکسی وغیرہ کی ضرورت محسوس نہ کی۔

رحیم خان کے ساتھ کریم خان بھی گھر میں موجود تھا۔ آج وہ ابھی تک ٹیکسی لے کر نہیں گیا تھا۔ دونوں انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"سناؤ بھئی ..... کیسا رہا؟"

"زبردست کامیابی ہوئی ..... لیکن اس کامیابی کا فائدہ تب ہوگا جب ابا جان سے ہماری ملاقات ہو جائے گی۔"

"وہ تو یہاں نہیں آئے؟" رحیم خان نے کہا۔

"اوہ —" ان کے منہ سے نکلا۔

"اب کیا ہوگا — آخر وہ کہاں رہ گئے۔ انہیں ہم تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"وہ بے خبر نہیں ہوں گے۔ ضرور ہم سے ملاقات کریں گے۔ فکر نہ کرو۔" محمود بولا۔



"میں تمہارے لیے ناشتے کا بندوبست کرتا ہوں۔" رحیم خان اٹھتے ہوئے بولا۔

ابھی دو قدم ہی چلا ہوگا کہ گھر میں کوئی داخل ہوا۔ انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر جمشید وہاں کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے، تم لوگ مجھ سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہو؟"

"جی ہاں —" فاروق بولا۔

پھر وہ سب بیٹھ گئے۔ رحیم خان بھی ناشتے کا بندوبست کرنا بھول گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ تفصیل سے انہیں سارے حالات بتا رہے تھے۔ بوڑھے کا بھی ذکر آیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ دوسری گولی وہ لے چکا ہے۔

"خیر کوئی بات نہیں؛ بہرحال تم نے بڑا کام کیا ہے۔ گولی مجھے دے دو۔"

فاروق نے جیب سے گولی نکالی اور انہیں دے دی۔ وہ تھوڑی دیر تک اسے گھما پھرا کر دیکھتے رہے — پھر جیب میں رکھ کر بولے:

"اب میں بہت جلد بے تاج بادشاہ پر ہاتھ ڈال دوں گا۔"

"لیکن اس بوڑھے کا کیا کریں گے۔ آخر وہ کون ہے؟"

"بے فکر رہو — اس سے بھی سمجھ لیا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے لاپروائی سے کہا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" محمود نے پوچھا۔



"انتظار — دو تین دن تک انتظار کرنا ہے۔ اس گولی کی رپورٹ ملتے ہی میں بے تاج بادشاہ کو گردن سے پکڑ لوں گا۔"

"لیکن ..... یہاں کی ساری پولیس اور اس کے سارے غنڈے اس کا ساتھ دیں گے۔ آخر ہم اتنے آدمیوں کا مقابلہ کیسے کریں گے۔" فاروق نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"فکر نہ کرو — سب بندوبست ہو جائے گا۔ بس اب تم اس گھر سے باہر نہ نکلنا۔ میں دو تین دن کے بعد آؤں گا اور تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"جی اچھا — کیا ہم ہوٹل جا کر اس بوڑھے سے بھی ملاقات نہیں کر سکتے۔" محمود نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، کہیں وہ ہوشیار نہ ہو جائے۔"

"بہت بہتر۔"

"اور ہاں — آپ دونوں بھی اس روز ہوٹل میں موجود ہوں گے۔" اچانک انسپکٹر جمشید نے رحیم خان اور کریم خان سے کہا۔

"بھلا ہم کیا کریں گے؟" کریم خان چونکا۔

"بھئی، کیا تم اس ظالم کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنا پسند نہیں کرو گے؟"

"ہاں، کیوں نہیں۔" رحیم خان کے منہ سے نکلا۔

"بس تو پھر آپ دونوں کو بھی آنا ہوگا۔" یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید

عجیب انداز میں مسکرائے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ ان کی یہ مسکراہٹ دیکھ کر چونک اُٹھے۔ یہ مسکراہٹ بے معنی نہیں تھی۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ آخر ان کے والد نے رحیم خان اور کریم خان کو ہوٹل آنے کی دعوت کیوں دی ہے۔

* * *

تین دن بعد جا کر کہیں انسپکٹر جمشید کی صورت دکھائی دی۔ وہ کافی تھکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ آتے ہی بولے:

"سب انتظام ہو گیا ـــ میں آج رات بے تاج بادشاہ کو گرفتار کر رہا ہوں۔"

"کیا؟" تینوں چلا اُٹھے۔

"ہاں، میں پورا پروگرام ترتیب دے چکا ہوں۔ تم لوگوں کو بھی بہت ضروری کام انجام دینا ہے۔"

"ہمیں کیا کرنا ہے؟" محمود نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تمہیں سیاہ گولیوں کو ٹھکانے لگانا ہے۔"

"لیکن ابا جان ہم اتنی ڈھیروں گولیاں کہاں لے جائیں گے؟"

"تم پہرے دار کو بے ہوش کر کے تمام ڈبے چھت پر پہنچاؤ گے اور خالی کمرے کو تالا لگا دو گے۔ اس کے بعد تم بے تاج بادشاہ کے دربار میں آ جانا۔ میں وہیں ہوں گا۔ لیکن آنے سے پہلے چند ڈبیاں اپنی جیبوں میں ڈالتے لانا۔"



"بہت اچھا ـــ کیا آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ گولیاں کیا بلا ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"اگر معلوم نہ ہو جاتا تو پروگرام کیسے ترتیب دے سکتا تھا۔"

"ہمیں اس بوڑھے کی طرف سے خطرہ ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کیوں، اس سے کیا خطرہ ہے؟"

"وہ بے تاج بادشاہ کا ملازم بن چکا ہے اور ہمیں اس میک اپ میں پہچانتا ہے ـــ بہت ہی بہت چالاک اور پھرتیلا آدمی ہے۔"

"فکر کی کوئی بات نہیں، میں تمہارے نزدیک موجود ہوں گا۔ اگر تمہیں مدد کی ضرورت پڑی تو فوراً پہنچوں گا۔"

"تب تو ٹھیک ہے ـــ لیکن بات ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ہم اتنے بہت سے آدمیوں کا مقابلہ کیسے کریں گے؟"

"اس طرف سے بھی بے فکر ہو جاؤ۔ میں نے انتظام کر لیا ہے ـــ" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا آپ نے دارالحکومت سے مدد منگائی ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں، اس حد تک جانے کی ضرورت نہیں تھی، ورنہ فوج بھی بلوائی جا سکتی تھی۔"

"اور کوئی ہدایت؟" محمود نے پوچھا۔

"گولیوں کے ڈبے چھت پر ایسی جگہ چھپا سکتے ہو جہاں سے وہ کسی کو دکھائی نہ دیں۔" انسپکٹر جمشید نے سوچتے ہوئے کہا۔



"چھت پر بھلا ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بہرحال ..... کوشش کرنا۔"

"جی اچھا۔"

"پہرے دار پر قابو پاتے وقت خاص احتیاط کی ضرورت ہو گی۔ اگر کام بگڑ گیا تو سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور میں بے تاج بادشاہ پر ہاتھ نہیں ڈال سکوں گا۔"

"ہم ہر ممکن احتیاط کریں گے اور اس کے حلق سے کوئی آواز نکلنے سے پہلے ہی اسے بے ہوش کر دیں گے۔ تجربہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔"

"بس ٹھیک ہے، اب میں چلوں گا۔"

"اور ناشتا؟" رحیم خان نے کہا۔

"ارے ہاں، اسے تو ہم بھول ہی گئے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے اور پھر ناشتے کے لیے رک گئے۔ ناشتے کے دوران انہوں نے رحیم خان سے کہا۔

"آپ دونوں بھی رات کو ہوٹل میں آ جائیں اور ٹھیک دس بجے جب تالیوں کی آواز سنیں تو دربار میں داخل ہو جائیں ـــ محمود، تم لوگ بھی ان کے ساتھ ہی اندر آؤ گے۔ اس سے پہلے باہر کسی کونے میں چھپے رہنا۔"

"جی اچھا ـــ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گولیوں کا انتظام ہمیں دس بجے سے پہلے پہلے کرنا ہے۔"

"ہاں، ٹھیک دس بجے تو تمہیں دربار میں داخل ہونا ہے۔"

* * *



ٹھیک نو بجے فاروق اس پائپ کے سہارے ہوٹل کی چھت کا رُخ کر رہا تھا۔ محمود اور فرزانہ نیچے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے چھت پر پہنچتے ہی محمود کی باری آئی اور پھر فرزانہ اوپر پہنچی۔

"پہلے چھت پر کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں ڈبے چھپانے ہیں۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

انہوں نے ساری چھت دیکھ ڈالی۔ صرف ایک جگہ ایسی نظر آئی جہاں ڈبے چھپائے جا سکتے تھے۔ یہ جگہ برساتی کی شکل کی تھی لیکن اس جگہ ہوٹل کا ٹوٹا پھوٹا سامان ڈھیر کیا گیا تھا۔

"اس سامان کے پیچھے ڈبے چھپا دیے جائیں تو اندھیرے میں کسی کے باپ کو بھی نظر نہیں آ سکتے۔" محمود بولا۔

"بالکل ٹھیک ...... اس چھت پر اس سے بہتر جگہ اور ہو بھی نہیں سکتی۔" فرزانہ نے کہا۔

"چلو یہ تو طے ہوا۔ اب اس پہرے دار سے نمٹنا ہے۔" فاروق بولا۔

"اور یہ کام فرزانہ کرے گی۔ کیونکہ گڑیا اس کے پاس ہے۔"

"ٹھیک ہے ـــ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

دبے پاؤں سیڑھیاں اترتے وہ نیچے آئے۔ پہرے دار سٹول پر اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا جس میں اس رات تھا۔ بندوق آج بھی اس کے کندھے سے لگی ہوئی تھی۔ فرزانہ نے گڑیا ہاتھ میں دبائی اور فرش پر لیٹ کر رینگنے

گی۔ محمود اور فاروق دیوار سے لگ کر آگے کھسکنے لگے تاکہ ضرورت پڑے تو فرزانہ کی مدد کر سکیں لیکن ایسی کوئی نوبت نہ آئی۔ پہرے دار نہایت شرافت سے لمبا لیٹ گیا۔ محمود نے فوراً تالے میں چابی لگائی۔ تالا کھلتے ہی انہوں نے پہرے دار کو بھی اندر گھسیٹ لیا۔

"اپنی ٹائیاں کھولو اور اس کے ہاتھ پیر باندھ دو۔"

"تم بھی اپنے ساتھ کوئی رسی وسی لے آیا کرو۔ ہماری ہی ٹائیوں کا بیڑا غرق ہوتا ہے ہمیشہ۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"یہ جلنے بھننے کا وقت نہیں ہے۔ ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔" محمود نے کہا اور اپنی ٹائی کھول کر پہرے دار کے ہاتھ کمر پر باندھنے لگا۔ فاروق نے بھی فوراً اپنی ٹائی سے اس کے پیر جکڑ دیے۔

"چلو فرزانہ، کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو، ڈبے اوپر پہنچانا شروع کر دو۔"

تینوں اس کام میں جٹ گئے۔ ان کے پاس پینتالیس منٹ تھے — پینتالیس منٹ میں انہیں تمام ڈبے اوپر پہنچانے تھے جب کہ ڈبے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ وہ ڈبوں کی قطار کی قطار دونوں ہاتھوں میں تھام کر لاتے اور اوپر لے جاتے رہے — یہاں تک کہ تیس منٹ میں کمرہ خالی ہو گیا۔ اب صرف پہرے دار وہاں رہ گیا تھا۔ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔ کیونکہ آدھ گھنٹے تک تیزی سے سیڑھیاں اترتے اور چڑھتے رہے تھے اور درمیان میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں رکے تھے۔

"اب اس کا کیا کریں؟" محمود نے ہانپتے ہوئے کہا۔



"اسے کمرے میں ہی پڑا رہنے دو۔ البتہ کمرے کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"بالکل ٹھیک — یہی کرنا چاہیے۔"

تالا لگا کر وہ نیچے چل پڑے۔



# دربار میں

بے تاج بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا۔ تمام کرسیوں پر اس کے درباری بیٹھے تھے۔ ایک کرسی پر بوڑھا شیر علی بھی موجود تھا۔ اچانک کرسی کے سامنے والا دروازہ کھلا اور بے تاج بادشاہ اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی سب لوگ تعظیم سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے کرسی پر بیٹھتے ہی سب بیٹھ گئے۔

"شیر علی، تم نے ابھی تک رحمت علی کا پتا لگایا نہ اس کے بیوی بچوں کا۔ کیا تم یہ کام کرنے میں ناکام ہو چکے ہو؟" بے تاج بادشاہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

"نہیں عالی جاہ، میں اس کے تینوں بچوں کو گرفتار کر چکا ہوں اور آج آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بچوں کی گرفتاری کے بعد رحمت علی جہاں کہیں بھی ہوگا، خود ہی بھاگا چلا آئے گا۔ بلکہ میرا خیال ہے میں آج ہی اسے بھی پیش کر سکوں گا۔"

"بہت خوب — یہ ہوئی نا بات — میں ہر کام سے پہلے اس کے بچوں کو دربار میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک دس بجے وہ دربار میں ہوں گے عالی جاہ۔" شیر علی نے جھک کر کہا۔

"کیوں — اس سے پہلے کیوں نہیں، تم انہیں گرفتار کر ہی چکے ہو۔"



بے تاج بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔

"جی — دراصل میں نے اپنے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ ٹھیک دس بجے دربار کے دروازے پر انہیں پہنچا دے۔ دس بجنے میں صرف دس ہی تو منٹ رہ گئے ہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں — اتنی دیر میں ہم کچھ دوسرے کام نمٹا لیتے ہیں۔ وہ صاحب کھڑے ہو جائیں جن کی کل گولی گم ہو گئی تھی۔"

فوراً ہی پولیس کا وہ آفیسر کھڑا ہو گیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"کل دوسری گولی مل گئی تھی؟"

"جی ہاں عالی جاہ۔" اس نے جھک کر کہا۔

"اس کی قیمت جرمانے سمیت ادا کر دی جائے۔"

"ایسا ہی ہوگا عالی جاہ۔"

"ٹھیک ہے — اب تم بیٹھ جاؤ۔"

اسی قسم کے دو ایک اور کام کرنے کے بعد دس منٹ پورے ہو گئے۔

"دس بج گئے ہیں اور رحمت علی کے بچے ابھی تک نہیں آئے۔" اس نے شیر علی کو گھور کر کہا۔

"ابھی حاضر ہوتے ہیں عالی جاہ۔" یہ کہہ کر اس نے زور سے تالی بجائی۔ فوراً ہی محمود، فاروق اور فرزانہ اندر داخل ہوئے لیکن چونکہ وہ میک اپ میں تھے، بے تاج بادشاہ انہیں پہچان نہ سکا۔ ان کے پیچھے رحیم خان اور کریم خان بھی تھے جن پر ابھی بے تاج بادشاہ کی نظر نہیں پڑی تھی۔

"یہ کیا مذاق ہے — یہ وہ بچے نہیں ہیں" اس نے گرج کر کہا۔
دوسری طرف محمود، فاروق اور فرزانہ بُری طرح گھبرا گئے تھے کیونکہ ہال میں انہیں انسپکٹر جمشید کہیں بھی دکھائی نہیں دیے تھے۔
"یہ وہی ہیں عالی جاہ، انہوں نے بھیس بدل رکھا ہے۔ میں ابھی آپ کو ان کے اصل چہرے دکھاتا ہوں"
اب انہوں نے بوڑھے شیر علی کو دیکھا۔ انہیں حیرت تو اس بات پر تھی کہ جب انسپکٹر جمشید ہال میں موجود نہیں ہیں تو پھر تالی کس نے بجائی تھی۔
ابھی وہ حیران ہی تھے کہ بوڑھا شیر علی ان کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان کا میک اپ اتارتا، بے تاج بادشاہ کی نظر رحیم خان اور اس کے بیٹے پر پڑ چکی تھی۔ وہ بڑے زور سے چلایا۔
"ارے — تم یہاں کیوں آئے — کون لایا ہے تمہیں؟"
یہ جملہ سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ دنگ رہ گئے، تو کیا بے تاج بادشاہ رحیم خان اور اس کے لڑکے کو پہچانتا ہے۔ یہ نئی بات انہیں بہت عجیب لگی۔
دوسری طرف رحیم خان کہہ رہا تھا:
"ہمیں کون لاتا — خود آئے ہیں"
"لیکن اس سے پہلے تو تم کبھی نہیں آئے"
"بس مرضی کی بات ہے — دل نے چاہا، چلے آئے"
"ہوں — ان کے لیے کرسیاں لائی جائیں" اس نے درباریوں سے کہا۔
"نہیں کرسیوں کی ضرورت نہیں، ہم یوں ہی ٹھیک ہیں"



"شیر علی — ان بچوں کو شہید گنج میں کس نے پناہ دے رکھی تھی؟"
"جی — رحیم خان اور اس کے بیٹے نے" شیر علی نے بتایا۔
"کیا؟" بے تاج بادشاہ نے چلا کر کہا "یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ پھر تو واقعی ان کے لیے کرسیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو میرے مجرم ہیں۔ برابر کی سزا کے حق دار ہیں"
"اسی لیے تو ان کے ساتھ آئے ہیں" کریم خان نے مزا کر کہا۔
"میرے دربار میں کھڑے ہو کر اس لہجے میں بات نہ کرو، ورنہ زبان گدی سے کھنچوا لوں گا"
کریم خان نے جواب میں کچھ نہ کہا کیونکہ وہ دونوں بھی بہت حیران تھے یہاں انسپکٹر جمشید موجود نہ تھے، اگر وہ ہوتے تو کریم خان ضرور بے تاج بادشاہ کی بات کا ڈٹ کر جواب دیتا۔
"ان کے میک اپ اتارو، شیر علی"
"جی بہت بہتر عالی جاہ"
شیر علی آگے بڑھا اور انسپکٹر جمشید نے ان تینوں کے چہروں پر جو چیزیں مصنوعی لگائی تھیں، نوچ نوچ کر پھینک دیں۔ اب تینوں اپنی اصل شکل صورت میں کھڑے تھے۔
"بہت خوب، یہ تو وہی ہیں — لیکن کمال کا میک اپ تھا۔ کیا یہ میک اپ ان کے باپ نے کیا تھا؟" بے تاج بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا۔
"جی ہاں، اسی لیے تو یہ پکڑے نہیں جا سکے — خود وہ بھی تو بیس برس



پھر رہا ہے —"
"ٹھیک ہے، یہ اس وقت تک قید میں رکھے جائیں گے جب تک ان کا باپ خود کو پیش نہیں کر دیتا" اس نے حکم دیا پھر جنگو سے بولا:
"جنگو سب کام ہو چکے۔ اب آج کا راشن تقسیم کرنا رہ گیا ہے۔ ان سب کے لیے ایک ایک گولی لے آؤ — ہاں، ان دو آدمیوں کے لیے نہ لانا — رحیم خان اور کریم خان کے لیے" یہ کہتے وقت وہ زور سے ہنسا۔
"بہت بہتر عالی جاہ" جنگو نے جھک کر کہا اور ہال سے نکل گیا۔
"کیا خیال ہے، شیر علی — جب ان کے والد کو خبر ملے گی کہ اس کے بچے میرے قابو میں ہیں تو وہ بھاگا آئے گا یا نہیں؟" بے تاج بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔
"ضرور آئے گا عالی جاہ، اسے آنا ہی ہوگا"
"تم جانتے ہو، میں ان بچوں کو چھوڑنے کی کیا شرط رکھوں گا؟"
"جی نہیں عالی جاہ"
"میں اس سے کہوں گا..... ایک گولی کھا لو اور اپنے بچے لے جاؤ"
یہ کہہ کر وہ بے تحاشا قہقہے لگانے لگا۔ اس کے درباری اس کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔ پورا ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ ہال میں صرف چھ آدمی ایسے تھے جو ہنس نہیں رہے تھے۔ محمود، فاروق، فرزانہ، رحیم خان، کریم خان اور چھٹا شیر علی تھا۔ انہیں حیرت ہوئی کہ شیر علی کیوں قہقہے نہیں لگا رہا۔
قہقہوں کا یہ طوفان اس وقت رکا جب جنگو بدحواسی کے عالم میں



دوڑتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

* * *

"سرکار — سرکار —!" وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ سب گھبرا گئے۔
"کیا بات ہے — کیا تم نے راستے میں کوئی بھوت دیکھ لیا ہے" بے تاج بادشاہ نے منہ بنا کر کہا۔
"سرکار..... عالی جاہ..... وہ..... وہ..... جنگو پھر ہکلا کر رہ گیا۔
"یہ کیا بکواس ہے — صاف صاف بات کرو"
"پہرے دار بے ہوش پڑا ہے....."
"بے ہوش پڑا ہے — اچھا — تو کیا ہوا..... اسے ہوش میں لے آؤ۔ تم گولیاں لائے یا نہیں"
"حضور..... پہرے دار گولیوں والے کمرے میں ہی تو بے ہوش پڑا ہے"
"ہیں..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو، کیا گولیوں والا کمرہ کھلا پڑا تھا؟" بے تاج بادشاہ پہلی مرتبہ بوکھلا کر بولا۔
"جی نہیں، دروازے کو تالا لگا ہوا تھا — جب میں نے تالا کھولا اور اندر داخل ہوا تو وہ فرش پر بے ہوش پڑا تھا"
"عجیب بات ہے۔ اب یہ تو اس کے ہوش میں آنے پر ہی پتا چلے گا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا اور وہ کمرے میں کیسے پہنچ گیا۔ مگر تم گولیاں کیوں نہیں لائے"
"عالی جاہ! یہی تو سب سے عجیب بات ہے۔ گولیوں والا کمرہ خالی

پڑا ہے — بالکل خالی — اس میں ایک ڈبا بھی نہیں — ایک گولی تک نہیں ہے۔

"کیا!" بیسیوں آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ ان کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ منہ حیرت، خوف اور پریشانی کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ رنگ اڑ گئے۔ جسموں پر کپکپی طاری ہو گئی۔

"اب کیا ہو گا۔" کئی ایک کے منہ سے نکلا۔ اس کے ساتھ ہی کئی آدمی کرسیوں سے لڑھک کر فرش پر آ رہے۔ وہ بے ہوش ہو گئے تھے، مگر کسی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

"کیا تم نے جاگتے میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ لیا؟" آخر بے تاج بادشاہ نے سنبھل کر کہا۔

"نہیں عالی جاہ! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"تین آدمی اس کے ساتھ جا کر دیکھ آئیں۔ کیا اس نے جو دیکھا ہے، وہ ٹھیک ہے۔" اس نے حکم دیا۔

فوراً جگنو کے ساتھ تین آدمی ہال سے نکل گئے۔ ان کے واپس آنے میں دیر نہ لگی۔ لٹکے ہوئے منہ دیکھ کر بے تاج بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔

"تو یہ ٹھیک ہے کہ گولیوں کا کمرہ خالی ہے؟"

"جی ہاں عالی جاہ۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے — ہزاروں ڈبے کیسے غائب ہو سکتے ہیں۔ یہ تو ایسے لگتا ہے جیسے کسی جادوگر نے اپنے کسی جن کو حکم دیا ہو کہ یہ ڈبے



یہاں سے غائب کر دو — آخر یہ کیسے ہو گیا۔"

"عالی جاہ...... ان سب سوالوں کے جوابات آپ کو میں دے سکتا ہوں۔"

اچانک شیر علی بول پڑا۔ سب اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب — تم کیسے جواب دے سکتے ہو۔" بے تاج بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔

"دے سکتا ہوں۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ گولیاں کہاں ہیں۔"

"کیا کہا — تم جانتے ہو — تو بتاؤ نا — کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" بے تاج بادشاہ خوش ہو کر بولا۔

"پہلے آپ کو میرے چند سوالات کے جوابات دینے ہوں گے۔" شیر علی نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا بکواس ہے۔ میں اپنے ایک ملازم کے سوالات کے جوابات دوں گا۔ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔" اس نے چلا کر کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ جو اس وقت تک انسپکٹر جمشید کے وہاں نہ ہونے کی وجہ سے بہت پریشان تھے، شیر علی کا لہجہ بدلنے پر اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ چہروں پر رونق آتی جا رہی تھی اور یہ سب کچھ انہیں ایک خواب کی طرح نظر آ رہا تھا۔

"اگر تم میری باتوں کا جواب نہیں دو گے تو میں گولیوں کا پتا نہیں بتاؤں گا۔" یہ کہتے وقت شیر علی مسکرا بھی رہا تھا۔



"ہوں، تمہاری یہ جرأت...... میں تمہاری کھال اتروا لوں گا۔"

"تم غلط فہمی میں مبتلا ہو رشید خان —"

"رشید خان!" محمود، فاروق اور فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ دوسرے درباری بھی حیران تھے۔

"ہاں — اس کا اصل نام رشید خان ہے اور تم یہ سن کر ضرور اچھل پڑو گے کہ یہ رحیم خان کا بیٹا اور کریم خان کا بڑا بھائی ہے۔"

"کیا؟" وہ واقعی اچھل پڑے۔

"ہاں، بہت مدت پہلے کی بات ہے، ایک غیر ملکی یہاں آیا تھا، اس وقت رشید خان اپنے باپ کے ساتھ رہتا تھا، اس غیر ملکی نے یہاں ایک ہوٹل بنوایا، اس کا مینیجر رشید خان کو مقرر کیا اور پھر ایک دن کہنے لگا کہ اگر رشید خان اسے ہر ماہ ایک لاکھ روپے اس کے ملک بھجوایا کرے تو وہ یہاں سے چلا جائے گا اور رشید خان کو ہوٹل کا مالک بنا دے گا۔ رشید خان نے اس سے کہا کہ بھلا وہ ایک لاکھ روپے مہینہ کیسے کما سکتا ہے۔ مشکل سے چند ہزار روپے ماہوار آمدنی ہو گی۔ اس پر غیر ملکی نے اسے ایک گولی دی۔ یہ گولی سیاہ رنگ کی تھی۔ غیر ملکی نے کہا کہ اپنے کسی گاہک کو یہ گولی چائے وغیرہ میں گھول کر پلا دو — اس نے ایک آدمی کو پلا دی۔ دوسرے دن وہ شخص پھر آیا۔ گولی کھائے اسے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ اچانک اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ غیر ملکی نے جلدی سے رشید خان کو ایک گولی اور دی اور کہا کہ یہ اس آدمی کو



دے کر کہو کہ وہ اسے نگل لے۔ اس آدمی نے گولی نگل لی۔ فوراً ہی اس کا درد رک گیا۔ اس پر غیر ملکی نے بتایا کہ اب ہر روز چوبیس گھنٹے کے بعد اسے درد اٹھا کرے گا اور جب تک یہ گولی نہ کھا لیا کرے گا، اس وقت تک درد دور نہیں ہوا کرے گا، چاہے دنیا بھر کے ڈاکٹروں سے علاج کرائے — اس لیے تم ہر روز اس گولی کے منہ مانگے دام وصول کر سکتے ہو۔ بڑے بڑے افسروں کو اپنا غلام بنا سکتے ہو۔ اس شہید گنج کے تمام امیر کبیر لوگوں کو اپنی مٹھی میں لے سکتے ہو، پھر ایک لاکھ کیا...... ہر ماہ کئی لاکھ کما سکتے ہو۔

رشید خان کی سمجھ میں بات بخوبی آ گئی۔ اس نے پوچھا کہ اتنی گولیاں کہاں سے ملیں گی۔ غیر ملکی نے کہا، وہ لا کر دیا کرے گا۔ سال بھر کی گولیاں ایک ہی بار پہنچا دیا کرے گا۔

چنانچہ سودا طے ہو گیا۔ غیر ملکی نے پہلے سال کے لیے گولیاں لا کر رشید خان کو دے دیں۔ اس نے ان گولیوں کی مدد سے بڑے بڑے افسروں کو اپنے قابو میں کر لیا۔ جس نے ایک بار سیاہ گولی کھا لی، وہ اس کا غلام بن گیا۔ اگر کوئی ذرا بھی چوں کرتا تو وہ اس کی گولی روک لیتا، یہاں تک کہ وہ اس کے پیروں میں گر جاتا۔ پولیس کے بھی سب بڑے بڑے افسر اس کے ذاتی ملازم بن کر رہ گئے۔ رحیم خان کو اصل بات کا پتا چلا تو اس نے بیٹے کو سمجھانا چاہا۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا۔ اسے تو دولت اور اقتدار کا نشہ چڑھ چکا تھا۔ آخر اس نے اپنے آپ کو بے تاج بادشاہ کہلوانا شروع کر دیا، پھر باقاعدہ ایک دربار لگنے لگا جس میں گولیاں تقسیم کی جاتیں۔

جگو اس غیر ملکی کا خاص آدمی تھا۔ اس لیے گولیوں کے کمرے کا حساب کتاب اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ پھر اور زیادہ دولت سمیٹنے کے لیے لوگوں سے لمبے چوڑے بل وصول کیے جانے لگے۔ اگر کوئی پولیس میں رپورٹ درج کروانا چاہتا تو پولیس والے بے تاج بادشاہ کے خلاف رپورٹ ہی نہ لکھتے۔ اگر کوئی زبردستی رپورٹ لکھوانے میں کامیاب بھی ہو جاتا تو پولیس بے تاج بادشاہ کو خبردار کر دیتی اور وہ اسے موت کے گھاٹ اتروا دیتا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ شخص پورے شہید گنج کا بے تاج بادشاہ بن بیٹھا۔ باپ اور بھائی نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ وہ چاہتے تھے ان کا بیٹا اور بھائی پکڑا جائے اور یہ غیر قانونی سلسلہ ختم ہو جائے۔ لوگوں کو سکھ اور چین ملے۔ لیکن رشید خان بہت طاقت ور بن گیا تھا۔ لوگ اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ ایسے میں میرا ایک دوست سرور بیگ یہاں آ پھنسا۔ سرور بیگ ..... کیا تم دروازے کے باہر موجود ہو۔ اب تم اندر آ سکتے ہو" شیر علی نے ڈک کر کہا

سرور بیگ اندر داخل ہوا اور مسکراتے ہوئے بولا:

"میں باہر کھڑا سب کچھ سنتا رہا ہوں۔ تم نے کمال کر دیا میرے دوست"

دربار میں موجود سب انسپکٹر بڑی زور سے چونکا۔ اسے یاد آ گیا، سرور بیگ رپورٹ درج کرانے آیا تھا اور جب اس نے رپورٹ درج نہ کی تو اس نے کہا تھا..... وہ جا رہا ہے اور شہید گنج میں ایک ایسے آدمی کو بھیجے گا کہ



بے تاج بادشاہ کی ساری بادشاہت دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس بوڑھے آدمی کو دیکھا۔

"اور اب ..... میرا خیال ہے ..... کہ میرے اس میک اپ کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ لوگ جان ہی چکے ہوں گے کہ میں دراصل کون ہوں" یہ کہتے ہوئے شیر علی نے اپنے چہرے سے مونچھیں اور پلاسٹک کی ایک باریک سی جھلی اتار پھینکی۔

"رحمت علی ....." بے تاج بادشاہ کے منہ سے نکلا۔ اس کی آنکھیں حیرت کے مارے ابل پڑیں۔

"رحمت علی نہیں — انسپکٹر جمشید —" سرور بیگ نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا؟" حیرت میں ڈوبی ہوئی کئی آوازیں ابھریں۔

محمود، فاروق اور فرزانہ تو انسپکٹر جمشید کے لہجہ بدلتے ہی انہیں پہچان گئے تھے۔ باقی لوگ اس طرح ساکت اور جامد کھڑے تھے جیسے کسی جادوئی رس میں پیچھے مڑ کر دیکھ لینے کی وجہ سے پتھر کے بتوں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔

"ابا جان، آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یہ گولیاں ہیں کیا بلا؟"

"ہاں، یہ بات رہ گئی۔ دراصل یہ افریقہ میں پائے جانے والے ایک درخت کا رس ہے۔ یہ رس بوندوں کی شکل میں ان درختوں سے ٹپکتا رہتا ہے۔ یہ بوندیں زمین پر پڑے پڑے خشک ہو جاتی ہیں اور گولیاں بن جاتی ہیں۔ اصل یہ ایک نشہ آور دوا ہے۔ اس کا نشہ ہلکا سا ہے اور چوبیس گھنٹے تک



رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی تاثیر یہ ہے کہ اگر چوبیس گھنٹے بعد اس کی دوسری خوراک نہ کھائی جائے تو درد تو بیخ اٹھتا ہے جو ناقابل برداشت ہو جاتا ہے"

"لیکن وہ غیر ملکی کس طرح ہر سال یہ گولیاں یہاں بھیج دیتا ہے؟"

"خفیہ راستوں سے — دراصل وہ غیر ملکی ہمارے دشمن ملک سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح وہ ہماری ساری قوم کو آہستہ آہستہ ان گولیوں کا عادی بنانے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ ایک دن وہ آقا بن بیٹھیں۔ رشید خان کا تو انہوں نے عارضی سہارا لیا تھا اور تجربے کے طور پر انہوں نے شہید گنج کو چنا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ دوسرے شہروں میں بھی پہنچ جاتا"

"اوہ —" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اور اب — میرے دوستو —" انسپکٹر جمشید نے دربار میں موجود تمام لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"وہ سب گولیاں چونکہ اب میرے قبضے میں ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں، اس لیے اس بے تاج بادشاہ کی بادشاہت اس وقت سے ختم ہوتی ہے۔ اسے پکڑ لو اور رسیوں سے جکڑ دو"

رشید خان گھبرا کر کھڑا ہو گیا لیکن اسے پچھلے دروازے سے بھاگنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اگر انسپکٹر جمشید اسے جان سے مار دینے کا حکم دے دیتے تو وہ اس کی بوٹیاں تک اڑا دیتے۔

چند لمحوں بعد بے تاج بادشاہ بے بس ہو چکا تھا۔ اس کی بادشاہت کا



سورج غروب ہو چکا تھا اور نیا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ نئی صبح شہید گنج کی پہاڑیوں پر نمودار ہو رہی تھی۔ ایسے میں فاروق نے سوال اٹھایا:

"لیکن ابا جان، آپ ان لوگوں کا کیا کریں گے۔ ایک سال تک تو گولیاں چلتی رہیں گی، اس کے بعد کیا کریں گے؟"

"بے فکر رہو" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ "اب انہیں گولیاں دینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ غیر ملکی نے دراصل یہ بات نہیں بتائی تھی کہ ڈاکٹروں نے اس گولی کا اثر ختم کرنے کے لیے ایک دوا تیار کر لی ہے، جسے صرف ایک مرتبہ کھانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد کبھی سیاہ گولی کی ضرورت نہیں پڑتی"

"اوہ، پھر تو مار لیا میدان"

"میں نے کہا تھا نا — ہم پولیس یا فوج کی مدد کے بغیر ہی سب پر قابو پا لیں گے۔ اب یہ سب لوگ ہمارے احکامات کی تعمیل کریں گے، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ سیاہ گولیوں کا ذخیرہ اب ہمارے پاس ہے۔ تم اپنی جیبوں میں کچھ گولیاں لائے ہو نا" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں، بہت گولیاں لائے ہیں"

"وہ نکال کر انہیں دکھا دو — تاکہ انہیں یقین آ جائے"

انہوں نے ایسا ہی کیا اور دربار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

☆ ☆ ☆

انسپکٹر جمشید اگلے دن بہت مصروف رہے۔ تمام گولیاں پولیس کے ذریعے آگ میں ڈال کر ضائع کرائی گئیں۔ ہوٹل کے ہر کمرے میں جو خفیہ راستے کھلتے

تھے، بند کرائے تاکہ مسافر محفوظ رہیں۔

دوسرے دن وہ رحیم خان اور کریم خان سے رخصت ہو رہے تھے — انسپکٹر جمشید نے ہوٹل ان دونوں کو سونپ دیا تھا۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے:

"اگر آپ میری مدد نہ کرتے تو شاید میں اتنی آسانی سے کامیاب نہ ہوتا۔ آپ کو اپنے بیٹے کے گرفتار ہونے کا کوئی افسوس تو نہیں؟"

"وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ وہ تو دشمن ملک کا بیٹا ہے۔ میرا بیٹا تو کریم خان ہے، جو ٹیکسی چلا کر حلال کی روزی کماتا ہے اور میرا اور اپنا پیٹ بھرتا ہے۔" یہ کہتے وقت رحیم خان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کریم خان جلدی سے بولا:

"آپ جب کبھی شہید گنج آئیں، ہمارے ہاں ہی آ کر ٹھہریں۔"

"اچھی بات ہے — بہت بہت شکریہ۔"

پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر سٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ رحیم خان اور کریم خان جب تک ٹیکسی نظر آتی رہی، ہاتھ ہلاتے رہے، آخر ٹیکسی نے ایک موڑ کاٹا اور ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"ابا جان کیا سوچ رہے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"میں رحیم خان کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔ کتنا عظیم انسان ہے وہ..... جس نے بیٹے کو گرفتار کرانے کے لیے سارے حالات خود مجھے بتائے۔ اگر وہ نہ بتاتا تو ہمیں نہ جانے کتنے دن اور لگتے۔"



بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا یہاں نزدیک کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ ہم ایک رات ٹھہر کر چلے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں تو ایک گڈریا ہوں۔ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں رہتا ہوں؛ البتہ یہاں سے کچھ فاصلے پر جنگل میں ایک سائنس دان رہتا ہے۔ لوگ اسے خوفی سائنسدان کہتے ہیں۔ اس کا مکان بہت بڑا ہے لیکن وہ خطرناک آدمی ہے۔ اس کی بیٹی اس سے بھی خطرناک ہے۔" گڈریے نے خوفزدہ انداز میں بتایا۔

"وہ کیسے؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ ایسے کہ وہ زہریلی ہے۔ جسے کاٹ لیتی ہے، وہ اسی وقت مر جاتا ہے۔ جیسے لوگ سانپ کے کاٹے سے مر جاتے ہیں۔"

"لڑکی نہ ہوئی، سانپ ہو گئی۔" محمود مسکرایا۔

"بتا دینا میرا فرض تھا۔ اب آپ جانیں..... آپ کا کام۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھا بھائی تمہارا بہت بہت شکریہ۔" خان رحمان بولے۔

"اگر آپ وہاں ٹھہریں تو رات کو سوئیں ہرگز نہ۔" گڈریے نے جاتے جاتے کہا۔

"اچھی بات ہے تم فکر نہ کرو۔" فرزانہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"اس سائنسدان سے ملنے کا تو شوق پیدا ہو گیا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔ گڈریا جا چکا تھا۔

"تو پھر چلتے ہیں۔ رات کے وقت گاڑی کا ٹائر تو بدلا نہیں جا سکے گا۔"

"ٹھیک ہے، تو پھر چلو۔" وہ گاڑی سے اتر آئے اور جنگل میں گھس کر اس سمت میں چلنے لگے جس طرف گڈریے نے اشارہ کیا تھا۔



"اور میں یہ سوچ رہا ہوں ابا جان..... کہ ہوٹل کے کمرہ نمبر ایک سو بارہ میں ہم نے آپ کے ساتھ نہایت گستاخی کی ہے۔ آپ پر حملے کیے ہیں — اُف..... کتنی شرمندگی ہو رہی ہے۔" فاروق بولا۔

"بھئی، اس میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں۔ میں بوڑھے شیر علی کے بینک اپ میں تھا..... اور پھر میں نے بھی تو تمہارے ہر حملے کا جواب دیا تھا — میں نے کونسا تم لوگوں کا لحاظ کیا تھا۔ تم پر پستول تک تو تان لیا تھا۔ ویسے سچ کہتا ہوں، اس وقت ہنسی روکنا میرے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا — اگر میری ہنسی نکل جاتی تو تم اسی وقت مجھے پہچان لیتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں بھی کہوں، میری گرپٹا اور کسی کو بے ہوش نہ کر سکے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں، اس وقت تم تینوں کے چہرے دیکھنے والے تھے۔"

"لیکن ابا جان، آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ فاروق کی جیب میں دو سیاہ گولیاں ہیں؟" اچانک محمود کو خیال آیا۔

اور انسپکٹر جمشید انہیں بتانے لگے کہ کیسے انہیں گولیوں کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔

* * * * *

ٹائر پھٹنے کی آواز دور دور تک پھیل گئی۔ ایک بوڑھا دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیا ہوا صاحب؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"بھائی اتنے زور سے ٹائر پھٹا ہے اور پھر بھی پوچھ رہے ہو، کیا ہوا —" خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔ اب آپ لوگ کیا کریں گے۔" اس نے افسوس